کربلائے امام حسینؑ

فرزندِ زہراؑ

وہ ہادیٔ برحق ــــــ جس نے آخری سانس تک دین کا پیغام سُنایا!
وہ قاریٔ قرآن ــــــ جس نے نوکِ نیزہ پر بھی تلاوت کی!
وہ محافظِ حرم ــــــ جس نے حرمت کعبہ کے لیے حج کو عمرہ سے تبدیل کر دیا!
وہ پاسبانِ شریعت ــــــ جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے وطن عزیز کو ترک کر دیا!
وہ مجاہد فی سبیل اللہ ــــــ جس نے تین دن کی بھوک اور پیاس میں جہاد کیا!
وہ ذمہ دارِ اسلام ــــــ جس نے بقائے دین کے لیے بھرا گھر لٹا دیا!
وہ عبادت شعار ــــــ جس نے برستے تیروں میں نماز ادا کی!
وہ سجدہ گزار ــــــ جس نے زیرِ خنجرِ ستم سجدہ کیا!
وہ مساوات کا علمبردار ــــــ جس نے جون کا سر اپنے زانو پر رکھا!
وہ صاحبِ ایثار ــــــ جس نے راہِ حق میں طفلِ شیر خوار کو بھی قربان کر دیا!
وہ راکبِ دوشِ رسولؐ ــــــ جس کی خاطر مرسلِ اعظمؐ ناقہ بنے!
وہ حافظِ فروع و اصول ــــــ جس نے پشتِ پیغمبرؐ پر آکر سجدہ کو طولانی بنا دیا!
وہ وارثِ خلقِ عظیم ــــــ جس نے بیگانوں کو بھی سیر و سیراب کیا!
وہ مولائے رحیم و کریم ــــــ جس نے حُر کی خطا کو معاف کر کے اسے حقیقی حُرؑ بنا دیا!

مقدمۂ کتاب کربلا

کسی کتاب کے حقائق و معارف اور مطالب و مفاہیم کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ان کے مطالب کا ایک خاکہ ذہن نشین کر لیا جائے اور اس سے متعلق افراد کردار اور مقامات کا ایک نقشہ مرتب کر لیا جائے تاکہ اسی کی روشنی میں اصل حقائق کا صحیح اندازہ کیا جائے۔

کتابِ کربلا ایک کتابِ ہدایت ہے جس کے ہر گوشہ میں اسلامی تعلیمات اور قرآنی احکام کی تابانی نظر آتی ہے۔

کتابِ کربلا ایک کتابِ عبادت ہے جس کے ہر صفحہ پر عبادت گذاروں کی صفیں نظر آتی ہیں۔

کتابِ کربلا۔ ایک کتابِ انقلاب ہے جس کا ہر لفظ خون کی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

کتابِ کربلا۔ ایک کتابِ شہادت ہے جس کے ہر نقطہ میں حیات جاودانی کی مرکزیت پائی جاتی ہے۔

کتابِ کربلا۔ ایک کتابِ سیاست ہے جس میں تدبیر حیات کی ساری تعلیمات اور ظلم سے مقابلہ کی ساری تدبیریں بیان کی گئی ہیں۔

کتابِ کربلا۔ درحقیقت کتابِ کربلا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی کتاب نہ اس سے پہلے مرتب ہوئی ہے اور نہ اس کے بعد مرتب ہونے والی ہے۔

ایسی کتاب کا مکمل ادراک حاصل کرنے کے لیے ان تمام مقدمات پر عبور حاصل کرنا ضروری ہوگا جن کے بغیر اس کتاب کے حقائق کا ادراک ممکن نہیں ہے۔ انھیں مقدمات پر عبور حاصل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ اس کتاب کی بے شمار من مانی تفسیریں کی گئیں، طرح

طرح کی شرحیں لکھی گئیں، نئی نئی تاویلیں ایجاد کی گئیں اور کثرت تعبیرات سے حقائق کو خواب پریشاں بنا دینے کی اموی مشین ایجاد ہو گئی۔

کسی نے اس عظیم جہاد کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دیا۔ کسی نے اس کو معاذاللہ امام حسینؑ کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ کہا، کسی نے یزید کے جوشِ جوانی کا نام دیا، کسی نے اُم زینب بنت اسحاق کے عشق کی داستان وضع کی، کسی نے عام سیاسی لڑائیوں کا رنگ دیا، کسی نے روٹی، کپڑے، مکان کے مسئلہ کا حل قرار دیا اور کسی نے اپنے مفروضات و مزعومات کی روشنی میں اس کی تشریح کرنا شروع کی۔

غرض جتنے مفکر تھے اتنے ہی خیالات، جتنے مقرر تھے اتنے ہی بیانات، جتنے اہل قلم تھے اتنے ہی مقالات اور جتنے اہل غرض تھے اتنے ہی رجحانات۔

مقدمۂ کتاب کربلا کا مقصد یہی ہے کہ اس عظیم جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت کو اُجاگر کیا جائے اور ان تمام سازشوں کو بے نقاب کیا جائے جو حسینی انقلاب کے خلاف کی گئی ہیں یا آج تک کی جا رہی ہیں۔

پہلا مقدمہ ــــ شخصیت امام حسینؑ

کربلا میں بنیادی کردار امام حسینؑ کا ہے جن کے جہادِ فی سبیل اللہ کی تابانیاں صفحۂ کربلا پر ہر طرف نظر آتی ہیں اور جن کے اشارہ پر وہ مختصر لشکر مرتب ہوا تھا جس نے ہر طرح کی قربانی دے کر دین الٰہی کو حیات دائمی اور بقائے جاودانی بخش دی ہے۔

امام حسینؑ کی شخصیت اور عظمت کو نہ پہچاننے ہی کا نتیجہ ہے کہ کربلا کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دے دیا گیا اور اس کی معنوی اور روحانی حیثیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔

امام حسینؑ کی شخصیت کسی طرح بھی محتاج تعارف نہیں ہے۔ مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی مقدار میں امام حسینؑ کی شخصیت سے باخبر نہ ہو۔ کم سے کم اتنا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ رسول اکرمؐ کے نواسے، مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ کے فرزند، صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہراؑ کے نور نظر، امام حسنؑ کے بھائی اور حضرت

ابوطالبؑ کے پوتے تھے اور یہ سارے رشتے وہ ہیں جو انسان کی عظمت و مرتبت کی بہترین علامت ہیں۔

رسول اکرمؐ کا نواسہ ہونا اور پھر ایسا نواسہ ہونا جسے انتہائی کمسنی کے عالم میں اسلام کی برتری، قرآن کی صداقت، توحید کی حفاظت کے معرکہ میں شریک کیا جائے اور اپنے پیروں سے نہ چل سکیں تو گودی میں اٹھا کر لے جایا جائے اور دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ جو اہمیت باقی بزرگوں کی بددعا کی ہے وہی اہمیت حسینؑ کی بددعا کی ہے، اور جس قدر خاندان کے بزرگ مستجاب الدعوات ہیں اسی قدر حسینؑ بھی مستجاب الدعوات ہیں اور جس قدر میدان مباہلہ کو نانا اور ماں باپ کی ضرورت ہے اسی قدر اس فرزند کی بھی ضرورت ہے اور جس قدر اسلام کا حال ان بزرگوں سے وابستہ ہے اسی قدر اسلام کا مستقبل اس کمسن فرزند سے وابستہ ہے، اور یہ سارے حقائق اس ایک مرکزی نقطہ کی وضاحت کر رہے ہیں کہ حسینؑ کا قیاس عام انسانوں پر جائز نہیں ہے اور حسینؑ اس خصوصیت کے حامل ہیں کہ انھیں فرزندِ رسولؐ قرار دیا گیا ہے جب کہ وہ مرسلِ اعظمؐ کے نواسے ہیں اور اس خصوصیت میں کائنات میں ان کے بھائی کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

سرکار دو عالمؐ نے امت کے فرزندوں سے بڑی محبت کی ہے۔ صحابۂ کرام کی اولاد کو بڑی شفقت و عنایت کی نگاہ سے دیکھا ہے، اپنے کو ساری امت کا باپ کہا ہے۔ لیکن اتنی بڑی امت میں سے کسی ایک کو بھی "ابنائنا" کی منزل میں میدان مباہلہ میں نہیں لے گئے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اخلاقی اعتبار سے یا فرض اطاعت کے اعتبار سے امت کو اولاد بنا لینا اور ہے اور معنویت، روحانیت، کمالات کے اعتبار سے کسی کا ابنائنا میں شامل ہو جانا اور ہے۔ یہ تنہا امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا امتیاز ہے جس میں ساری امت میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

امام حسینؑ شہزادے ہیں اور بے شک شہزادے ہیں ـــ لیکن رسول اکرمؐ کے شہزادے ہیں اور ان کے مقابلہ میں آنے والا رسول اکرمؐ کے مقابلہ میں آنے والا ہے جسے کسی جہت سے بھی مسلمان نہیں کہا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؑ و فاطمہؑ کا فرزند ہونا اور ایسا فرزند ہونا جس کی وراثت میں باپ کا جہاد اور ماں کا ایثار شامل ہو اور جس نے ابتدائی دور ہی سے اپنے ماں باپ کے کردار کا مکمل مشاہدہ

کیا ہو، اور انسانی نگاہ سے نہیں عرفانی، ایمانی، اور منصبی نگاہ سے مشاہدہ کیا ہو اس کی عظمت کردار کی بہترین دلیل ہے کہ ایسے ماحول میں پرورش پانے والا' ایسے کرداروں کا وارث اور ایسے حالات کا دیکھنے والا عام انسان بھی اچھے خاصے کردار کا حامل ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ انسان کہ جسے روز اول سے منصب الٰہی کا حامل بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہو اور جس کی تربیت اسلام کی آغوش میں ہوئی ہو۔ جس کی رضاعت شیرِ ایمان سے مکمل ہوئی ہو، اور جس نے درس گاہ علام الغیوب سے علوم و کمالات حاصل کیے ہوں اور ابتدا ہی سے بزرگوں کے ساتھ مختلف مجاہدات میں شریک رہا ہو۔

حضرت ابو طالبؑ کا پوتا اور وارث ہونا بھی ایک مکمل تاریخ کی نشان دہی کرتا ہے جس میں ایثار، قربانی، جہاد، حفاظتِ دین، تحفظ ناموس رسولؐ جیسے جذبات پائے جاتے ہیں اور جس تاریخ میں اپنے بچوں کا فاقہ گوارا ہے خدا کے رسولؐ کی بھوک گوارا نہیں ہے۔ اپنے بچوں کی قربانی گوارا ہے حبیب کبریا کی قربانی گوارا نہیں ہے۔

امام حسینؑ ایک ایسے ہی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور ایک ایسے ہی مقدس اور پاکیزہ ماحول کی ایک فرد تھے۔ امام حسینؑ کے حالات، معاملات، اخلاقیات، آداب، خیالات، رجحانات کا قیاس دنیا کے دوسرے انسانوں پر نہیں ہو سکتا ہے لہذا امام حسینؑ کے جہاد کا موازنہ بھی دنیا کی کسی جنگ سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا مقدمہ ـــ یزید

امام حسینؑ کی شخصیت و عرفان کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ واقعۂ کربلا کے سارے مظالم کے "ذمہ دار واقعی" یزید کا کردار کیا ہے اور اسے وراثت میں کون سے جذبات و خیالات ملے ہیں اور اس نے ذاتی طور پر کن صلاحیتوں کی تحصیل کی ہے۔

یزید خاندانی اعتبار سے اس دادا ابوسفیان کا پوتا ہے جس نے ہر معرکۂ اسلام و کفر میں اسلام کے خلاف لشکر کی ترتیب و تنظیم یا قیادت کا فرض انجام دیا ہے۔ جس کے "کمالِ اسلام" کا یہ عالم تھا کہ عثمان بن عفان کی خلافت کے بعد اپنے چہیتے فرزندِ خاندان کو مبارکباد دینے کے لیے آیا تو حالات کو سازگار دیکھ کر اس "عظیم عقیدہ" کا اعلان کیا کہ اب یہ خلافت تمہارے ہاتھ میں آگئی ہے

اسے گیند کی طرح نچاؤ اور اس کا مرکز و محور بنی امیہ کو قرار دو، جنت و جہنم کے خیالات کو ذہن سے نکال دو، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دنیا یہی ہے اور راحت دنیا یہی خلافت اسلامیہ ہے۔

یزید کی دادی ـ ہندہ جگر خوارہ ہے جس نے احد کے میدان میں "سید الشہداء" حضرت حمزہؑ کے کلیجہ کو نکال کر چبانے کی کوشش کی تھی اور اس طرح ایک عظیم مجاہد اسلام کی توہین اور بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

تاریخ کے یہ دونوں منظر یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ ایک طرف رسول اکرمؐ اس بات پر آنسو بہا رہے ہیں کہ حضرت حمزہؑ کی لاش پر رونے والی عورتوں کا مجمع نہیں ہے اور دوسری طرف ہندہ جشن منا رہی ہے کہ لاش کے اجزا جدا کیے گئے' اور ان کے کلیجہ کو منہ میں لے کر اپنی دیرینہ تمنا پوری کی گئی اور گویا تحریک اسلام سے انتقام لے لیا گیا۔

یزید کا باپ ـــ معاویہ ہے جسے اسلام کے ایک نامور حکمراں نے "کسریٰ العرب" کا لقب دیا تھا اور جس کی خلافت ہر مکتب خیال میں ملوکیت اور شہنشاہی خیال کی جاتی ہے اور جس کے بارے میں خود سرکار دو عالمؐ نے فرما دیا تھا کہ خلافت کے بعد بدترین ملوکیت کا دور آنے والا ہے جس میں کسی انسان کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

معاویہ فتح مکہ میں مسلمان ضرور ہو گیا تھا لیکن اس اسلام کی حقیقت سرکار دو عالمؐ کے اس فقرے سے واضح ہوتی ہے کہ آپ نے ایسے تمام افراد کو طلقاء کہہ کر معافی دی تھی اور یہ ایک سند ہے کہ ان کا شمار اشراف میں نہیں ہے، آزاد کردہ افراد میں ہے۔ اور اسی لیے خانوادہ رسالت نے مختلف مواقع پر یزید اور معاویہ کے بارے میں اس لفظ کا استعمال کر کے انھیں ان کی حقیقت سے باخبر کیا ہے۔

معاویہ کا میدانِ صفین میں نفس رسولؐ سے مقابلہ کرنا اور موقع پاتے ہی لشکرِ علیؑ کے لیے پانی بند کر دینا، اصحاب رسولؐ کو قتل کرا دینا، خلیفۂ اوّل کے فرزند کی لاش کی بے حرمتی کرنا، خلیفہ سوم کی کسی طرح کی امداد نہ کرنا اور مدینہ کے باہر لشکر کو روک کر ان کے قتل کا انتظار کرنا اور ان کے لیے ایک مشک آب کا بھی فراہم نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کفر و شرک کا وہ بقیۃ السلف ہے جس کے دل میں کسی کی ہمدردی نہیں ہے اور یہ نہ مکتبِ خلافت کی اہمیت کا قائل ہے اور نہ مکتب اہلبیت

کی۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو شخص اپنے خاندان کے خلیفہ کا لاوارثی کے عالم میں بھوکا پیاسا قتل ہو جانا گوارا کر سکتا ہے اور خود اپنے ہی خاندان کے چشم و چراغ پر رحم نہ کرتا ہو وہ دنیا کے کسی انسان پر کیا رحم کر سکتا ہے اور اس کے فرزند سے کس طرح کی شرافت کی توقع کی جاسکتی ہے؟

اس کے برخلاف تاریخ میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار بھی ہے جنھوں نے نہ صفین کے میدان میں بندشِ آب کو گوارا کیا اور نہ خلیفہ سوئم کو قصر کے اندر بے آب رہنے دیا۔ فرزند ابوطالبؑ کی اس شرافت و نجابت کا قیاس فرزند ابوسفیان کی اس ذلت و خباثت پر کیا جائے تو یہ تاریخ کا عظیم ترین ظلم ہے جس کی فریاد خود امیرالمومنینؑ نے بھی کی ہے کہ مجھے اتنا گرایا گیا، اتنا گرایا گیا کہ اب میرے نام کے ساتھ معاویہ کا نام لیا جانے لگا ہے۔

یزید۔ کی ماں میسون تھی جو عیسائی خاندان کی ایک عورت تھی اور جس نے ابتدائی دَور میں یزید کو اپنے ساتھ صحرا و بیابان میں رکھا تھا اور وہیں عیسائی اصول و قوانین کے مطابق تربیت دی تھی اور نفاق پر عیسائیت کا رنگ چڑھا کر کریلے کو نیم چڑھا بنانے کا کام انجام دیا تھا۔

عیسائیت نے اسلام کے خلاف جو سازشیں کی ہیں ان کا ایک جز دیزید کی تربیت بھی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس طرح کی شکست عیسائیت کو مباہلہ کے میدان میں ہوئی تھی اس طرح کی شکست کفار و مشرکین اور یہودیوں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ کفار و مشرکین کو یہ اطمینان تو تھا کہ

"مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا"

اور پھر شکست کے بعد بھی ہم نے شکست کا اعتراف نہیں کیا۔ لیکن عیسائیت کے دل میں تو یہ ایک ناسور تھا کہ ہم ایسے میدان میں آگئے، جہاں مقابلہ بھی ممکن نہ تھا اور پھر ہمیں ذلت آمیز شکست کا اعتراف بھی کرنا پڑا لہٰذا جس قیمت پر ممکن ہو ان پانچ افراد سے انتقام لے لیا جائے جنھوں نے مباہلہ کا معرکہ سر کیا ہے اور لعنت کے حربے سے ہماری قوم کو شکست دی ہے۔ چنانچہ تاریخ کے یہ دو مسلمات قابل توجہ ہیں کہ معاویہ کے دربار میں ایک عیسائی طبیب تھا جس کا کام زہر قاتل تیار کرنا تھا اور یہی زہر ابن ملجم کی تلوار میں بھی دیکھا گیا ہے اور جعدہ کے پانی میں بھی۔ یعنی معاویہ نے اس زہر کے ذریعہ مباہلہ کی دو عظیم شخصیتوں کا قتل کیا ہے اور عیسائیت کو دو عظیم

ہستیوں سے بدلہ لینے کا موقع فراہم کیا ہے اب ایک امام حسینؑ کی ہستی باقی تھی اور عیسائیت کو ان سے انتقام لینا تھا، چنانچہ میسون کو معاویہ کے گھر میں داخل کیا گیا اور جب یزید پیدا ہو گیا تو اسے اپنے ماحول میں رکھ کر پالا گیا تاکہ ایک ایسی "شخصیت" تیار کی جائے جس کے دل میں اسلام سے کوئی ہمدردی نہ ہو اور وہ مباہلہ کے مجاہدین کی آخری فرد سے بھی عیسائیت کی شکست کا انتقام لے لے۔

امام حسینؑ دشمنانِ اسلام کی نگاہ میں دُہرے انتقام کا مرکز تھے۔ ایک طرف یزید اپنے باپ دادا کی لڑائیوں کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اس کا منشاء یہ تھا کہ امام حسینؑ کے ذریعہ جنگ بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا جائے اور حضرت علیؑ کے مجاہدات کا انتقام ہو جائے اس لیے جب امام حسینؑ نے لشکر یزید سے خطاب کر کے سوال کیا کہ آخر میرا خون کیوں بہایا جا رہا ہے؟ کیا میں نے دین بدلا ہے؟ شریعت میں کوئی ترمیم کی ہے؟ احکام الٰہی میں کوئی تبدیلی کی ہے؟ تو سب نے یک زبان جواب دیا کہ ہمارے دل میں آپ کے باپ علیؑ کا بغض ہے اور ہم اس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اور پھر خود یزید نے بھی اپنے دربار میں فتح و کامرانی کے نشہ میں ڈوب کر کہا تھا کہ کاش ہمارے بدر کے بزرگ زندہ ہوتے اور یہ منظر دیکھتے کہ کس طرح ان کے خون کا بدلہ لیا جا رہا ہے۔

کربلا کا واقعہ امام حسینؑ کی طرف سے حفاظت اسلام کا انتظام تھا تو یزید کی طرف سے شکست کفر کا انتقام۔ کربلا کے نتیجہ کا فیصلہ اس طرح آسان ہے کہ اگر یزید کا کفر باقی رہ گیا تو انتقام کامیاب ہو گیا اور اگر امام حسینؑ کا بچایا ہوا اسلام باقی رہ گیا تو انتظام کامیاب ہوا اور انتقام دوبارہ شکست کھا گیا۔

دوسرا مسئلہ یہ بھی تھا کہ عیسائیت اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتی تھی اور اس کے لیے میسونہ کو ذریعہ بنایا گیا تھا۔ امام حسینؑ نے دونوں طرح کے انتقام کا مقابلہ کیا اور یہ واضح کر دیا کہ یزید دو طرف سے کفر کا وارث ہے، بدر کے اعتبار سے مشرکین مکہ کا وارث ہے، اور مباہلہ کے اعتبار سے نصاریٰ نجران کا وارث ہے۔۔۔ اور میں بدر و احد کے اعتبار سے محمد مصطفٰیؐ اور علی مرتضیٰؑ کا وارث ہوں اور مباہلہ کے اعتبار سے جانِ پنجتن اور عیسیٰ روح اللہ کا وارث ہوں جنھوں نے گہوارہ ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ میں بندۂ خدا ہوں فرزند خدا نہیں ہوں۔

یزید۔ بذات خود یزید تھا، جس کا کردار تو کردار اس کا نام بھی اہل نظر و ادب کی نگاہ میں

داخل دشنام ہے۔

یزید کی شخصیت وحیثیت" عالم اسلام میں کبھی زیر بحث نہیں رہی ہے۔ البتہ اس کا اسلام

وایمان ہر دور میں زیر بحث رہا ہے اور اس سے بالاتر یہ بحث رہی ہے کہ وہ قابل لعنت ہے یا نہیں۔

یعنی یہ بات تقریباً مسلمات میں ہے جس کا اقرار ہر غیر متعصب عالم نے کیا ہے کہ یزید کا اسلام واقعی اسلام

نہیں تھا اور اس کا کردار واقعاً اس قابل تھا کہ اس پر لعنت کی جائے۔

علامہ برزنجی نے کتاب الاشاعہ میں اور ابن حجر نے صواعق میں نقل کیا ہے کہ احمد بن حنبل

کے فرزند عبد اللہ نے اپنے باپ سے یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں

نے جواب دیا کہ جس پر خدا نے لعنت کی ہے اس پر کس طرح لعنت نہ کی جائے اور اس کے بعد

قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ دیا جہاں فساد فی الارض کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ قاضی ابو بکر بن العربی المالکی نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں

یہ کہہ کر کہ حسینؑ اپنے جد کی تلوار سے قتل ہوئے ہیں سخت غلطی کی ہے۔ یزید ہرگز حاکم اسلامی نہ تھا۔ اسلامی

حکومت کے لیے عدالت ضروری ہے اور حسینؑ سے بالاتر کوئی عادل نہ تھا۔ اس کے بعد مقدمہ تاریخ

کے صفحہ ۲۵۴ پر اس حقیقت کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ علماء اسلام یزید کے فسق پر متفق ہیں اور فاسق

ایسا اسلامی حاکم نہیں ہو سکتا کہ اس کے خلاف اقدام جائز نہ ہو۔ صحابۂ کرام اور تابعین کا سکوت

یزید کے کردار سے رضامندی کی بنا پر نہ تھا بلکہ وہ خوں ریزی کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے یزید

کی نصرت کو بھی جائز نہیں قرار دیتے تھے۔

ابن مفلح حنبلی کا بیان ہے کہ ابن عقیل اور ابن الجوزی کی نگاہ میں غیر عادل حاکم کے خلاف

قیام جائز ہے جس طرح امام حسینؑ نے یزید کے خلاف قیام کیا ہے۔ یزید کو اگر ابتدا میں حاکم تسلیم

بھی کر لیا جائے تو قتل حسینؑ، ہتک حرمت کعبہ اور تاراجی مدینہ کے بعد تو یہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتی ہے

علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں تحریر کیا ہے کہ یزید کا قتل حسینؑ سے راضی ہونا

اور اس پر خوشی منانا مسلمات میں ہے اور ایسا انسان صاحب ایمان نہیں ہو سکتا ہے بلکہ قابل لعنت

ہے اور اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر خدا کی لعنت ہے۔

ابن حزم نے "المحلی" ج ۱۱ ص ۹۸ میں تحریر کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کا قیام صرف دنیا کے

لیے تھا اس کے اعمال کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ ظالم محض تھا۔ بعض علماء کی طرف سے اس

کے اعمال کی تاویل سراسر زیادتی ہے۔

جاحظ کا بیان ہے کہ یزید کے بدترین جرائم قتل حسینؑ، اسیری بنات رسولؐ، توہین سر امام حسینؑ،

غارت گری مدینہ، ہتک حرمت کعبہ وہ اعمال ہیں جو قساوت قلب، دشمنی آل رسولؐ، بغض و عداوت

کینہ پروری اور نفاق و بے ایمانی کی علامت ہیں اور فاسق ملعون ہوتا ہے بلکہ جو ملعون پر لعنت

کرنے سے منع کرے وہ خود بھی ملعون ہے۔ (رسائل جاحظ ص ۲۹۸)

برہان حلبی نے استاذ الشیخ محمد بکری کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ اور ان کے والد

دونوں یزید پر لعنت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا اسے جہنم کے پست ترین درجات میں جگہ دے۔

ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں بیان کیا ہے کہ یزید بن معاویہ ناصبی، بدسرشت، بدکردار،

شرابی اور بدکار تھا۔ اس نے اپنی حکومت کا آغاز قتل حسین سے کیا ہے اور خاتمہ واقعۂ حرہ پر کیا ہے۔

سبط ابن الجوزی سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن الجوزی سے یزید پر لعنت کے بارے میں سوال

کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ امام احمد نے اس پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے اور ہم بھی یزید کو پسند

نہیں کرتے ہیں کہ اس کے اعمال بدترین اعمال تھے۔ اب اگر لوگ اس ناپسندیدگی پر راضی

ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم بھی صریحاً لعنت کرتے۔ (مرآۃ الزمان ج ۸ ص ۴۹۶)

ان تمام بیانات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انصاف پسند علماء اور مورخین نے ہر دور

میں یزید کو کافر یا منافق یا قابل لعنت تسلیم کیا ہے اور کوئی اس کے اعمال، کردار سے اتفاق

نہیں کر سکا ہے۔

دور حاضر میں بعض اہل قلم نے اگر یزید کی طرف داری کی ہے تو اس کی وجہ یہ قرار دی

ہے کہ قتل حسینؑ وغیرہ جیسے اعمال کا یزید سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ سب ابن زیاد اور ابن سعد

کے اعمال تھے۔ یزید ان اعمال سے بری تھا ورنہ اگر یہ طے ہو جائے کہ ان سارے اعمال کا

ذمہ دار یزید ہی ہے تو بے شک ایسا انسان قابل لعنت ہوتا ہے۔

صرف چند بے ایمان اور خبیث النفس اہل قلم ایسے ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کو باغی یا خارجی

قرار دیا ہے اور یزید کی حکومت کو جائز اور صحیح قرار دیا ہے اور یہ وہی معنوی نسل یزید ہے جس نے

کل یزید کو امیر المومنین تسلیم کیا تھا اور امام حسینؑ کو باغی اور خارجی کہہ کر ان کا خون بہانے کی تدبیر کی تھی۔ لعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

تیسرا مقدمہ ـــ ہلاکت و شہادت

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے جان بوجھ کر اصحاب کی مختصر جماعت کے ساتھ کربلا کا رخ کیا۔ یزید کی بے شمار فوج سے مقابلہ کیا بیعت یزید سے انکار کیا اور یہ تمام باتیں اقدام قتل کے مرادف ہیں جسے اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ امام حسینؑ کو ہوا کا رُخ دیکھنا چاہیئے تھا اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے تھا۔ ہوا کے رُخ کے مطابق عمل کیا ہوتا تو اتنا بڑا سانحہ نہ ہوتا اور اتنے افراد کا خون نہ ہوتا بلکہ صاحب تحفہ کربلا نے واضح لفظوں میں یہ اعتراض کیا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت (معاذ اللہ) ان کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ تھی ورنہ وہ اپنی جان بچا سکتے تھے اور جو انسان جان بوجھ کر موت کے منہ میں چلا جائے اسے کس طرح مظلوم کہا جا سکتا ہے؟

اس سوال اور اعتراض کے تجزیہ کے لیے چند مراحل پر غور کرنا ہوگا:

مرحلہ اول ـ یہ ہے کہ کیا امام حسینؑ کے لیے جان بچانا ممکن تھا اور اگر ممکن تھا تو اس کا طریقہ کیا تھا۔ اس مقام پر بعض تاریخی حوادث سے ناواقف افراد یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسینؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو ان کی زندگی محفوظ رہ سکتی تھی ـــ حالانکہ یہ بات تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ امام حسینؑ نے اس وقت تک کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جس اقدام سے یزید کی خلافت کو خطرہ ہوتا۔ یزید کی خلافت کو خطرہ امام حسینؑ کے وجود سے تھا اور اسے یہ اندیشہ تھا یہ آنکھ بند کر کے میرے اعمال کی تائید نہیں کر سکتے اور کسی قیمت پر میرے احکام پر عمل نہیں کر سکتے اور اس طرح امت میں یہ شعور ضرور بیدار ہوگا کہ یزید میں کوئی عیب، کوئی نقص اور کوئی خرابی ہے جس کی بنا پر فرزند رسولؐ اس کے احکام کو قبول نہیں کرتے اور اس طرح میری حکومت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا ان کے وجود کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ مطالبۂ بیعت کو یزید نے بہترین بہانہ قرار دیا تھا کہ یہی وہ مسئلہ ہے جہاں امام حسینؑ اتفاق نہ کر سکیں گے ورنہ بیعت

کے بجائے صلح کا مطالبہ ہوگا تو وہ اتفاق کر سکتے ہیں کہ اسے معلوم تھا کہ آل محمدؐ صلح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے اس گھرانے کی پوری تاریخ تھی کہ میرے دادا نے آزمایا تو رسول اکرمؐ صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ میرے باپ نے تجربہ کیا تھا تو حسنؑ مجتبیٰ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔ اب میں بھی صلح کے لیے تحریک کروں گا تو حسینؑ آمادہ ہو جائیں گے لہٰذا کوئی ایسا مطالبہ کرنا چاہیے جس سے امام حسینؑ کسی قیمت پر اتفاق نہ کر سکیں ـــ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے باپ کے گلے میں رسی ڈالی گئی، انھیں کھینچ کر گھر سے مسجد تک لایا گیا۔ طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی گئیں لیکن انھوں نے بیعت نہیں کی جب کہ مقام صلح میں ۲۵ سال تک خاموش رہے اور حکومت وقت سے مقابلہ نہیں کیا لہٰذا آل محمدؐ کے سامنے مطالبۂ صلح کے بجائے مطالبۂ بیعت پیش کرنا چاہیے اور اس کے ذریعہ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیے جیسا کہ خود امام حسینؑ نے اپنے بیانات میں اشارہ فرمایا تھا کہ میں کسی جانور کے سوراخ میں بھی پناہ لے لوں تو یہ مجھے نکال کر قتل کر دیں گے، انھیں میری زندگی گوارا نہیں ہے اور یہ میرے وجود کو خطرہ تصور کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بیعت سے جان بچ سکتی تھی تو بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا بیعت، امام حسینؑ کے لیے ممکن تھی اور کیا اسلام ہر راستہ سے حفاظت نفس کی اجازت دیتا ہے چاہے اس سے خود اس کی بربادی کا سامان فراہم ہو جائے؟

اس سوال کا تجزیہ علماء و مفکرین نے دو راستوں سے کیا ہے۔ امام حسینؑ کے ذاتی کمالات اور نسبی کرامات وغیرہ کے اعتبار سے ـ کہ کیا یہ خصوصیات اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ امام حسینؑ بیعت کر لیں۔ جس کے باپ نے ایک لمحہ کے لیے یزید سے غنیمت حکام کی بیعت نہیں کی ہے، جس کے بھائی نے ایک دن کے لیے یزید کے باپ کی بیعت کا ارادہ نہیں کیا ہے وہ یزید جیسے بدترین انسان کی بیعت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔! اس نکتہ کا احساس ابن سعد کو بھی تھا کہ اس نے اپنے حاکم کو آخری اطلاع نامہ میں تحریر کیا تھا کہ حسینؑ بیعت نہیں کریں گے۔ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا دل ہے۔ یہاں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ امام حسینؑ کے نسبی خصوصیات انھیں بیعت کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

دوسرا راستہ شریعت کے احکام و قوانین کا ہے کہ کیا اسلامی قوانین کی روشنی میں ایسے انسان کی بیعت جائز تھی جو حرام محمدؐ کو حلال، اور حلال محمدؐ کو حرام بنا دے۔ قانون الٰہی کا مذاق اُڑائے،

سر دربار شراب پیے، سوتیلی ماں بہن سے زنا کو جائز قرار دے اور دربار عام میں یہ اعلان کرے
کہ دین و آئین فقط بنی ہاشم کا کھیل ہے ورنہ نہ کوئی وحی آئی ہے اور نہ خبر نازل ہوئی ہے۔
قرآن و سنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو عام مسلمان کے لیے بھی اس کی بیعت کو جائز
قرار دے سکے بیعت کے قواعد و قوانین معین ہیں ان میں فاسق و فاجر کی اطاعت کا بھی امکان نہیں
ہے بیعت تو بہت بڑی بات ہے۔ لہٰذا اس نقطۂ نظر سے بھی یزید کی بیعت کسی عام انسان کے لیے بھی
جائز نہیں ہے۔ امام حسین کا مرتبہ تو ان سب سے بہت بالاتر ہے۔

لہٰذا یہ تصور کہ امام حسینؑ بیعت کے ذریعہ اپنی زندگی کا تحفظ کر سکتے تھے تاریخ اور شریعت
دونوں سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ نہ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یزید کا منشاء حقیقی صرف
طلب بیعت تھا اور وہ بیعت کے بعد اذیت و آزار سے دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ شریعت اسلام کے
قوانین کے اعتبار سے امام حسینؑ کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کی بیعت کر لیتے
امام حسینؑ تو کسی عظیم ترین انسان کی بھی بیعت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ خود اپنے دور کے ہر انسان سے
عظیم تر تھے اور ان سے بالاتر کوئی نہیں تھا کہ وہ اس کی اطاعت یا بیعت کرتے اور پھر امام حسینؑ کا
ہاتھ اللہ نے بیعت لینے کے لیے بنایا تھا بیعت کرنے کے لیے نہیں بنایا تھا۔ ان کا ہاتھ یداللہ تھا
اور یداللہ تمام ہاتھوں سے بالاتر ہوتا ہے وہ کسی کے ہاتھ کے نیچے نہیں آسکتا ہے۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہلاکت کے معنی کیا ہیں اور کیا امام حسینؑ کے اقدام کو ہلاکت کا نام دیا
جا سکتا ہے۔ اس کا جواب تمام علماء اخلاقیات نے یہ دیا ہے کہ ہلاکت بلا سبب جان کو برباد کر دینے
یا اپنی حیثیت سے کمتر پر جان قربان کر دینے کا نام ہے اور امام حسینؑ راہ خدا میں قربانی دے رہے
تھے جس سے بالاتر کوئی شے نہیں ہے لہٰذا ان کے اقدام جہاد کو ہرگز ہلاکت کا نام نہیں دیا جا سکتا
ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ہلاکت بربادی کا نام ہے اور بربادی کے معنی یہی
کہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ شورہ زار زمین میں دانہ ڈال دینا اسکی
بربادی ہے۔ لیکن زرخیز زمین میں بیج ڈال دینا اس کی بربادی نہیں ہے۔ اور دونوں کا بنیادی
فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں دانہ بے نتیجہ رہ جاتا ہے اور دوسری صورت میں ایک دانہ سے
سات بالیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہر بالی میں سو سو دانے پیدا ہوتے ہیں، اور اس طرح دانہ

کارآمد ہو جاتا ہے برباد نہیں ہوتا۔ اسلام میں جہاد اور شہادت کا قانون اسی لیے رکھا گیا ہے کہ
شہادت میں زندگی برباد نہیں ہوتی بلکہ اس کے مقابلہ میں بے شمار نتائج برآمد ہوتے ہیں، اور
واضح ترین نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسان کی عارضی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور مذہب کو ابدی
زندگی مل جاتی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مذہب کی زندگی انسان کی زندگی سے کہیں زیادہ
قیمتی ہے۔

امام حسینؑ کے اقدام کی صورت حال بھی یہی تھی کہ انھوں نے مشیت الٰہی کے مطابق وہ
وقت، موقع اور مقام منتخب کیا تھا جہاں جان کی قربانی بربادی نہیں تھی بلکہ ایک عظیم تر اور وسیع تر
حیات کا پیش خیمہ تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ اس قربانی کے نتیجہ میں ظلم کے حوصلے پست ہوں گے، مظلوم کو
بولنے کا موقع ملے گا، ترمیم شریعت کا راستہ بند ہو جائے گا، خلافت کے نام پر منکرات کا سلسلہ
موقوف ہو جائے گا۔ اہل دنیا کو قانون الٰہی میں دخل اندازی کا موقع نہ ملے گا۔ اور جس ماحول میں
بڑے بڑے صحابہ زادوں کو بولنے کی تاب نہیں ہے اس ماحول میں ایک مرد نابینا یا مرد نصرانی
بھی حاکم وقت کو ٹوکنے کا حوصلہ پیدا کر لے گا اور یہ حوصلہ تحفظ دین و شریعت کے اعتبار سے
بے حد مفید ہوگا۔

امام حسینؑ نے اپنی قربانی ان تمام مصالح کے پیش نظر دی ہے اور وہ سارے فوائد حاصل
کر لیے ہیں جو ایک شہادت سے حاصل کیے جا سکتے تھے اسلام کو حیات جاودانی دے دی ہے۔
شریعت کو تحفظ فراہم کر دیا ہے، قرآن کو سربلند کر دیا ہے، کعبہ کی عظمت و کرامت کو بچا لیا ہے
اور دین محمدیؐ کو استحکام و دوام عطا کر دیا ہے اور ایسے نتیجہ خیز عمل کو ہلاکت یا بربادی نہیں
کہا جا سکتا ہے۔

تیسرا مرحلہ ــ یہ ہے کہ کیا انسان کے لیے تمام صورتوں میں جان، مال، آبرو کی حفاظت
واجب ہے یا بعض حالات میں ان کی قربانی بھی ضروری ہے؟

کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مسئلہ کو عقلی طور پر طے کیا جائے تو عقل واضح فیصلہ دیتی ہے
کہ مقصد کی عظمت کی راہ میں تینوں کو قربان کیا جا سکتا ہے اور انسانی زندگی میں یہ برابر ہوتا رہتا
ہے کہ حالات و مصالح کے تحت مال بھی قربان کیا جاتا ہے اور بلند ترین مقاصد کے لیے ظاہری

عزت و وجاہت بھی قربان کی جاتی ہے اور واقعی مفاہیم و اقدار کے لیے جان کی بازی بھی لگا دی جاتی ہے۔ کون عقلمند ہے جو اس حقیقت سے انکار کر دے گا اور کون سا باشعور ہے جو اپنی زندگی میں اس قانون پر عمل درآمد نہیں کرتا ہے۔

شرعی اعتبار سے بھی جان و مال و آبرو تینوں رب العالمین کا عطیہ اور اس کی امانتیں ہیں، لہٰذا انھیں دوسرے کی راہ میں صرف کرنا ناجائز ہو تو ہو خود صاحب مال ہی اگر مخصوص انداز صرف کا مطالبہ کر دے تو صرف کر دینا ہلاکت نہیں ہے اس سے انحراف کرنا ہلاکت ہے۔ خاصانِ خدا نے ہمیشہ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھا ہے کہ جان، جان آفریں کی امانت ہے۔ مال، مالک ملک کی امانت ہے۔ آبرو رب العزت کی امانت ہے۔ لہٰذا وہ جس طرح رکھنا چاہے گا اسی طرح صرف کر دیں گے اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہماری مرضی کی کوئی قدر و قیمت ہے۔

اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ عقل و شرع دونوں کے اعتبار سے قربانی ایک ضرورت ہے اور قربانی کو ہلاکت اور بربادی نہیں کہہ سکتے ہیں تو اب صرف اتنا واضح کرنا ہوگا کہ امام حسینؑ عقل و شرع دونوں کی طرف سے اس قربانی کے لیے مامور تھے اور انھوں نے عقل و شرع دونوں کے قانون پر عمل درآمد کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ تاریخی اعتبار سے انتہائی واضح ہے کہ حالات نے عقلی طور پر وجوب عائد کر دیا تھا اور سرکار دو عالمؐ نے خواب کے ذریعہ، شریعت اسلام نے تحفظِ اسلام کی ضرورت کے ذریعہ اس وجوب کا اعلان کر دیا تھا جیسا کہ خود امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں امت جد کی اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے گھر سے باہر نکلا ہوں اور یہ سب امور اسلام میں واجبات اور اہم ترین فرائض شریعت میں تھے۔

چوتھا مقدمہ۔ فتح و شکست

دنیا میں جو صاحب عقل بھی کوئی عمل انجام دیتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور اسی مقصد کے اعتبار سے کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ عمل کے دوران پیش آنے والے حالات و کیفیات نہ کامیابی کی علامت ہیں اور نہ ناکامی کی۔ ایک فلاح (کاشتکار) اپنے کام کا آغاز کرتا ہے تو سب سے پہلے زمین کی حالت خراب ہوتی ہے۔ اس کے

بعد دانہ خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد زمین پر بہنے والا صاف و شفاف پانی خاک میں جذب ہو جاتا ہے اس کے بعد پیداوار کو سہارا دینے والا کیمیاوی مادہ زیر زمین گم ہو جاتا ہے تو زراعت کا عمل مکمل ہوتا ہے جس میں ظاہری تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب چار مہینے انتظار کرنے کے بعد لہلہاتا ہوا کھیت سامنے آجاتا ہے تو سب یہی کہتے ہیں کہ فلاح اپنے عمل میں کامیاب ہے۔ کسی نے اس کامیابی پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ دانہ برباد ہو گیا، پانی جذب ہو گیا۔ کھاد کا پتہ نہیں چلا اس لیے کہ کامیابی کا فیصلہ نتیجہ کے اعتبار سے ہوتا ہے حالات اور مقدمات کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے۔

یہی حال خاصان خدا کی حیات کا ہے کہ اس میں زحمتیں، مصیبتیں، آفتیں سب ہیں اور حادثات کی کثرت بھی ہے۔ کوئی پتھر میں دبا دیا گیا، کوئی آرے سے چیر دیا گیا، کسی پر کوڑا پھینک دیا گیا، کوئی سخت ترین مصائب کا شکار ہو گیا لیکن ان تمام مصائب و آفات کو ان کی ناکامی کی علامت نہیں قرار دیا گیا بلکہ اللہ والوں کی فوج کو کامیابی اور کامرانی کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اہلِ دنیا کی نگاہ میں یہی مصائب و آلام ناکامی کی علامت ہو سکتے ہیں کہ وہ خدمات سے راحت چاہتے ہیں، تبلیغات سے مفاد دنیوی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ والے ان مصائب کو اس وقت تک اپنی ناکامی نہیں تصور کرتے جب تک کہ ایک شخص کے بھی راہ راست پر آجانے کا امکان ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اس دنیا میں راحت و آرام طلبی نہیں ہے۔ وہ بندگانِ خدا کو راہِ خدا پر چلانے اور منزل قرب الٰہی تک پہونچانے کے لیے آئے ہیں اور جب تک یہ کام ہوتا رہے گا وہ اپنے کو کامیاب تصور کرتے رہیں گے اور اپنے تصور میں حق بجانب رہیں گے۔

کیا یہ تاریخ کی عظیم حقیقت نہیں ہے کہ جس مرد مجاہد نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، نامور پہلوانوں کے گلے کاٹے، ایک ایک وار میں مرحب و مرکب کے دو ٹکڑے کیے، دو انگلیوں سے در خیبر اکھاڑ لیا، ایک ضربت سے کل کفر کا خاتمہ کر دیا، ایک اکیلے دم پر سارے لشکر سے مقابلہ کر لیا وہ ان تمام مجاہدات و فتوحات کو اپنی کامیابی کے اعلان کا محل نہیں قرار دیتا اور جب سر پر ابن ملجم کی تلوار لگتی ہے تو اعلان کرتا ہے کہ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"۔

کیا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ کامیابی اور ناکامیابی، راحت و تکلیف، اطمینان و مصیبت، دولت و غربت، لطف حیات اور تلخ کامی زندگانی کی تابع نہیں ہے۔ اس کا معیار صرف مقصد کا حاصل ہونا اور مقصد کے حصول سے محروم ہو جانا ہے۔ مقصد حاصل ہو گیا تو انسان ہزار مصائب کے باوجود کامیاب ہے اور مقصد حاصل نہ ہو سکا تو انسان لاکھوں راحتوں کے باوجود بھی ناکام ہے۔

اس بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ کربلا کے معرکے میں فاتح کون ہے اور شکست خوردہ کون؟ دونوں فریقین کا مقصد دیکھنا ہوگا اور پھر مقصد کے حصول و عدم حصول کا جائزہ لینا ہوگا۔

تاریخ اس حقیقت کی بہترین شاہد ہے کہ امام حسینؑ کی نگاہ میں دنیا کا کوئی آرام نہ تھا۔ انھوں نے مصائب کا راستہ اختیار کیا تھا اور بار بار اپنے قتل کی پیش گوئی کر دی تھی، اصحاب کو بھی آزاد کر دیا تھا کہ مصائب میں ساتھ نہیں دے سکتے تو چلے جائیں، مجھے دین محمدؐ کو مستحکم بنانا ہے اور اس راہ میں تلواروں کو اپنا گلا بھی پیش کر سکتا ہوں۔ ایسی حالت میں ان کی مصیبت یا شہادت کو ناکامی کی علامت قرار دینا ایک غفلت یا تغافل یا جہالت و حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف یزید حکومت چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے اہل کوفہ سے خطاب کر کے اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم لوگوں سے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے لیے جنگ نہیں کی ہے، میں صرف تم پر حکومت کرنا چاہتا ہوں۔ اسی حکومت کی بقا کے لیے اس نے اپنے بدترین بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا کہ یہ اقتدار کسی بھی صورت سے بنی امیہ میں رہ جائے ورنہ اس کے بیٹے کی نگاہ میں دین و مذہب سب بنی ہاشم کا کھیل تھا۔

اب امام حسینؑ اور یزید کا معرکہ صرف اس مرحلہ پر تھا کہ دین باقی رہے یا مٹ جائے، رسالت حقیقت و واقعیت ثابت ہو یا بنی ہاشم کا کھیل تماشا ثابت ہو جائے۔ یزید نے سارا زور صرف کر دیا کہ رسالت تماشا بن جائے، دین فنا ہو جائے اور ابوسفیان کے قول کے مطابق یہ گیند بنی امیہ کے گرد ناچتی رہے اور امام حسینؑ کا سارا جہاد اس مقصد کے لیے تھا کہ دین الٰہی باقی رہ جائے، رسالت کا وقار زندہ رہے، اسلام کی آبرو ضائع نہ ہونے پائے۔ چاہے اس راہ

میں میری لاش پامال ہو جائے اور میرا بھرا گھر اُجڑ جائے۔

ان حالات میں نتیجہ بالکل سامنے ہے۔ اگر یزید انکار رسالت میں کامیاب ہو جائے تو معاذ اللہ امام حسینؑ اپنے مقصد میں ناکام ہوئے لیکن اگر یزید خود ہی امام زین العابدینؑ کے خطبہ کو قطع کرنے کے لیے اعلان کرائے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" تو یہ علامت ہے کہ یزید نے شکست کا اعتراف کر لیا اور امام حسینؑ نے کربلا کے بعد شام کا معرکہ بھی فتح کر لیا۔

اگر یزید شراب و بدکاری و عیاری کو مذہب میں روا رکھ سکے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور امام حسینؑ کی قربانی ضائع ہو گئی، اور اگر یزید کی حمایت کرنے والے بھی شراب و بدکاری کو حرام کہہ رہے ہیں تو یہ علامت ہے کہ امام حسینؑ کامیاب ہیں اور یزید ناکام ہو گیا۔

ان حالات میں تو ان لوگوں کو بھی اپنے نظریہ کا جائزہ لینا پڑے گا جو یہ کہہ رہے تھے کہ امام حسینؑ نے ہوا کا رُخ نہیں پہچانا اور اسلام کی بڑی بڑی شخصیتوں کا ساتھ نہیں دیا جس کے نتیجہ میں قتل ہو گئے اور سارا گھر برباد ہو گیا۔ یعنی یہ اہل قلم اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ یزید کے دور میں تمام بڑی شخصیتوں کا موقف امام حسینؑ سے بالکل مختلف تھا۔ سب کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر یزید کی بیعت کیے ہوئے تھے اور اس کے اعمال و افعال سے رضامندی کا اعلان کر رہے تھے اور امام حسینؑ کھلم کھلا اپنی مخالفت اور بیزاری کا اظہار فرما رہے تھے اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ تو اب یہ فیصلہ آسان ہے کہ اگر یزید کا دین باقی رہ گیا ہے اور اسلام میں وہ تمام منکرات جائز رہ گئے ہیں جنھیں یزید اپنے عمل سے جائز ثابت کر رہا تھا تو امام حسینؑ نے حالات زمانہ سے ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے اور معاذ اللہ دھوکہ کھا گئے ہیں لیکن اگر یزید کا دین مٹ گیا، یزید کا مشن فنا ہو گیا، یزیدیت رسوائے زمانہ ہو گئی اور وہ اسلام رہ گیا جو اسلام محمدیؐ تھا اور جس کی خاطر امام حسینؑ قربانی دے رہے تھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یزید ہارا۔ امام حسینؑ جیتے اور اس فتح میں ان کے اصحاب و انصار و اہلبیت کے علاوہ کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔

یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ آج جو دین اسلام باقی و زندہ و پائندہ ہے اس کی بقا پر نہ کسی صحابی کا احسان ہے نہ صحابی زادہ کا، نہ کسی شخصیت کا احسان ہے نہ شخصیت پرست

کا۔۔ یہ صرف تنہا امام حسینؑ کی قربانی کا اثر ہے کہ دین الٰہی زندہ و پائندہ رہ گیا اور تا ابد زندہ رہے گا۔

امام حسینؑ کی اصولی کامیابی کے بعد حالات زمانہ کا جائزہ لیا جائے تو ہر دور کے حالات امام حسینؑ کی کامیابی کا بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں۔ یزید کامیاب ہوتا تو اس کی کامیابی کے اثرات ہوتے۔ لیکن آج نہ اس کی قبر کا نشان ہے نہ اس کے نازین ہیں، نہ چند بندگان زر کے علاوہ کوئی اس کا نام لیوا ہے، نہ اس کی بارگاہ ہے نہ اس کا تذکرہ ہے، نہ اس کی راہ میں فداکاری ہے، نہ اس کا پرچم ہے، نہ اس کا کوئی نام و نشان ہے، اور اگر کوئی نام ہے بھی تو داخل دشنام ہے۔

لیکن امام حسینؑ آج بھی ہر جہت سے فاتح ہیں اور ہر محرم ان کی فتح کا اعلان کرتا ہے۔ ہر گھر میں عزاخانہ انھیں کا سجایا جاتا ہے، ہر شاہراہ پر پرچم انھیں کا لہراتا ہے، ہر بزم میں تذکرہ انھیں کا ہوتا ہے، ہر پیاسے کو پانی انھیں کے نام پر پلایا جاتا ہے، ہر قانون الٰہی اور تعلیم اسلام کا چرچا انھیں کی مجالس میں ہوتا ہے، ہر اخبار انھیں کا تذکرہ کرتا ہے، ہر رسالہ انھیں کا نمبر نکالتا ہے، ہر مسلمان انھیں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے، ہر شریف غیر مسلم انھیں کی بارگاہ میں سر نیاز جھکاتا ہے، ہر مورخ انھیں کو تاریخ ساز قرار دیتا ہے، ہر مفکر انھیں کے فلسفۂ جہاد کو اپناتا ہے، ہر ادیب انھیں کو صبر و استقلال کی علامت قرار دیتا ہے، ہر انقلابی انھیں کو ہیرو تسلیم کرتا ہے، ہر مومن انھیں کو اپنا سردار تسلیم کرتا ہے، ہر حق انھیں کے گرد چکر لگاتا ہے، اور ہر باطل انھیں کے نام سے گھبراتا ہے، ہر سپاہی کو انھیں کے جہاد سے حوصلہ ملتا ہے اور ہر نہتے انسان کے لیے انھیں کی داستان استقلال ہتھیار کا کام کرتی ہے۔

غرض حسینؑ غریبوں کا سہارا، اسلام کا عزم جاوداں، مجاہدوں کی طاقت، شریعت کے پاسبان اور محمدیت کے ابدی نگراں ہیں۔ حسینؑ پر ہمارے لاکھوں سلام،

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

پانچواں مقدمہ۔۔۔امام حسینؑ اور شریعت

اصول مذہب کے اعتبار سے ہر امام محافظ شریعت ہوتا ہے اور رسالت کے ساتھ

امامت کی ضرورت اسی لیے ہوتی ہے کہ جب رسالت تبلیغ شریعت کا کام مکمل کر دے اور وحی تشریعی کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو کوئی ایسا شخص رہے جو اس شریعت کی محافظت کرے تاکہ یہ قانون اسلام اپنی واقعی شکل میں باقی رہے۔ ظاہری شکل میں شریعت علماء امت کے ذریعہ بھی باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن احکام واقعیہ کے تحفظ کے لیے بہرحال امامت کی ضرورت ہے اس لیے کہ علماء امت احکام واقعیہ سے باخبر نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا مطالعہ لوح محفوظ سے متعلق نہیں ہوتا ہے، وہ کتاب و سنت کا مطالعہ کرتے ہیں اور بقدر فہم احکام شریعت کا استنباط کر لیتے ہیں اور اسی لیے ان کے فتاویٰ میں اختلاف ہوتا ہے اور ان کے مسائل الگ الگ ہوتے ہیں۔ لیکن امام احکام واقعیہ کا مبلّغ ہوتا ہے وہ آغوش مادر سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے احکام میں تعدّد اور اختلاف و تضاد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے کہ نہ ایک مسئلہ میں مختلف واقعی احکام ہوں گے اور نہ ایک مسئلہ میں ائمہ طاہرینؑ کے مختلف احکام ہوں گے۔

ائمہ طاہرینؑ سب محافظ شریعت تھے اور سب نے اپنے فرض کو بخوبی انجام دیا ہے۔

لیکن محافظت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) محافظت داخلی (۲) محافظت خارجی

محافظت داخلی۔۔۔ جہاں احکام واقعیہ کو ذہن میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً ان کی تبلیغ کی جاتی ہے جہاں امت میں اختلاف رائے پیدا ہوا اور واقع سے انحراف کا امکان پیدا ہوا امامؑ نے حکم واقعی بیان کر کے شریعت الٰہی کا تحفظ کر لیا۔

محافظت خارجی۔۔۔ جہاں واقعی احکام دنیا تک پہونچ جانے کے بعد خطرات سے دوچار ہو جائیں اور ان میں تبدیلی کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ ایسے موقع پر بھی امام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی زحمت و مشقت کا مقابلہ کر کے حکم واقعی کا تحفظ کرے اور اسے ہر طرح کی تبدیلی سے بچائے۔

اس محاذ پر جو خدمت امام حسینؑ نے انجام دی ہے اس کی مثال تاریخ ائمہؑ میں بھی نہیں ملتی ہے نہ اس لیے کہ ائمہ معصومین میں باہمی کمالات میں تفاوت تھا اور کوئی امام، امام حسینؑ کے مرتبہ کا نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے کہ جو حالات و خطرات امام حسینؑ کے دور میں پیدا ہو گئے تھے

وہ حالات و خطرات کسی اور دَور میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور جو موقع تحفظ شریعت کا امام حسینؑ کو ملا تھا وہ کسی امامؑ کو حاصل نہیں ہوا تھا۔

احکام و تعلیمات کے اعتبار سے اس کی مثال امام جعفر صادقؑ کی حیات میں ملتی ہے کہ جس قدر بیان احکام اور تبلیغ قوانین کا موقع آپ کو ملا کسی دوسرے امام کو نہیں ملا اور اسی لیے ساری فقہ اہلبیتؑ کا نام فقہ جعفری ہو گیا کہ آپ کے بیان کردہ احکام سارے معصومینؑ کے بیان کردہ احکام سے زیادہ ہیں اور شریعت اہلبیتؑ پر آپ کے بیانات کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔

خطرات و آفات کی منزل میں یہی حیثیت امام حسینؑ کی ہے کہ آپ نے دین الٰہی کو ان خطرات سے بچایا ہے جن کی مثال کسی معصوم کے دور میں نہیں تھی اسی لیے صاحبانِ فکر و نظر نے حقیقت اسلام کا تعارف کراتے ہوئے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ "اسلام محمدی الحدوث ہے اور حسینی البقاء" اسلام آغاز کے اعتبار سے محمدیؐ ہے کہ اس کے تعلیمات وحی الٰہی کے ذریعہ سرکار دو عالمؐ پر نازل ہوئے ہیں اور بقا کے اعتبار سے حسینی ہے کہ اس کے سارے قوانین کو کفر و الحاد، بے دینی و عیاری، اموریت و یزیدیت کے خطرات سے امام حسینؑ نے بچایا ہے۔

امام حسینؑ ہر اعتبار سے محافظ شریعت ہیں اس لیے صاحب شریعت کی حکیمانہ ذمہ داری تھی کہ وہ بقاء حسینیت کا انتظام کرے جو بقاء شریعت کی علامت بھی ہے اور ضمانت بھی۔ اسی لیے شریعت اسلام نے حسینیت کو ہر اعتبار سے زندہ و پائندہ بنایا ہے۔ امام حسینؑ کی محبت کو فریضۂ اسلامی بنایا ہے۔ ان کے تذکرے کو عبادت بنایا ہے۔ ان کے غم میں آنسو بہانا ان کی یاد میں محو رہنا، ان کے مصائب کی یاد میں مراسم عزا کا قائم کرنا ان سارے اعمال کو بندگی پروردگار اور اطاعت الٰہی کا درجہ دیا ہے، یہاں تک کہ اشک افشانی کے ساتھ ساتھ اشک افشانی کی دعوت اور اس کے مظاہرہ کو بھی وسیلہ نجات قرار دے دیا ہے۔ محافظ شریعت معصوم نے واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ امام حسینؑ پر رونا، رُلانا اور رونے والوں کی صورت بنانا سب وسیلہ جنت اور عبادت الٰہی ہے اگرچہ بعض نافہم افراد نے اس قسم کے مضامین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صورت بنانا ریاکاری ہے اور ریاکاری اسلام میں حرام ہے اور فعل حرام کسی صورت سے عبادت نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن ان بیچاروں کو یہ خبر نہیں ہے کہ تباکی اس

شدت تاثر کا نام ہے جس کا اظہار چہرے کے خطوط اور شکل و صورت کے کیفیات سے ہو جاتا ہے چاہے مختلف اسباب کے تحت آنسو نہ نکل سکیں۔ گویا معصوم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بنیادی کام آنسو بہانا اور آنسو بہانے کی دعوت دینا ہے لیکن مسئلۂ غم انھیں حدود تک محدود نہیں ہے اور آنسو بذات خود موضوع کلام نہیں ہیں۔ آنسو ایک طریقہ ہے اس جذبہ قلبی کے اظہار کا جو ہر صاحب ایمان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر آنسو نہ نکل سکیں تو اس جذبۂ محبت کا اظہار کسی نہ کسی شکل میں ہونا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دل میں محبّت پائی جاتی ہے اور انسان ذکر مصائب یا تصور آلام سے متاثر ہے۔

اسلامی روایات میں اس کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب کنز العمال ج ۱ ص ۱۴۷، مرسل اعظمؐ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے سورہ زمر کی آخری آیات کی تلاوت کی جس میں عذاب جہنم کا تذکرہ ہے تو انصار کی ساری جماعت نے گریہ شروع کر دیا۔ صرف ایک نوجوان تھا جس کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلے۔ اس نے پریشان ہو کر عرض کی، سرکار! میری آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے "وانی تباکیت" میں صرف تباکی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ فرمایا: من تباکیٰ فلہ الجنۃ" جو رونے والے کی صورت اختیار کرے اس کے لیے بھی جنت ہے ـــــ جو اس بات کی علامت ہے کہ انسان کا دل اس عذاب سے متاثر ہے ورنہ بے دین افراد کی طرح عذاب آخرت کا مذاق اڑاتا، اس کے تذکرہ پر تبسم کا مظاہرہ کرتا، گریہ کن صورت حال اختیار نہ کرتا۔ یہ صورت حال تاثر قلبی کی علامت ہے اور تاثر قلبی بہترین عبادت ہے۔

دوسری روایت کنز العمال ہی میں وارد ہوئی ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے سورۂ تکاثر کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو اس سورہ کو سن کر بکا کرے گا اس کے لیے بھی جنت ہے اور جو تباکی کرے گا اس کے لیے بھی جنّت ہے۔

کتاب اللؤلؤ والمرجان ص ۴۷، اور مجموعہ ورام ص ۲۷۲ پر جناب ابوذر سے روایت ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص رو سکتا ہے تو روئے ورنہ حزن و رنج کو دل کا شعار بنائے اور تباکی کرے کہ سنگدل رحمت الٰہی سے بعید ہوتا ہے۔

اس روایت میں واضح طور پر تباکی کی دعوت بھی موجود ہے اور اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا نہ انسان تباکی کی روایت کو رد کر سکتا ہے اور نہ اسے ریاکاری قرار دے سکتا ہے شیخ محمد عبدہٗ کا قول تفسیر المنار ج ۸ ص ۳۰۱ میں نقل کیا گیا ہے کہ تباکی تکلف البکاء ہے ریا نہیں ہے۔

علامہ شریف جرجانی نے فرمایا ہے کہ باب تفاعل عام طور سے صفت غیر موجود کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے جائز قرار دیا ہے کہ اس سے تحصیل صفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ سرکار دو عالمؐ کے ارشادات میں ہے کہ بکاء ممکن نہ ہو تو تباکی کرو۔ (تعریفات ص ۴۸)

بکاء اور تباکی کی یہی اہمیت تھی جس کے تحت امام محمد باقرؑ نے آٹھ سو درہم معین کیے تھے ان عورتوں کے لیے جو موسم حج میں منیٰ کے میدان میں آپ کے مصائب پر گریہ کریں جس سے تین باتوں کا اندازہ ہوتا ہے:

۱۔ گریہ کا اہتمام کرنا اور اس پر پیسہ خرچ کرنا خلاف شریعت نہیں ہے۔

۲۔ ایام حج اور میدان منیٰ میں گریہ کرنا منافی حج و مناسک و اعمال حج نہیں ہے۔

۳۔ گریہ کا اہتمام ایک اہم دینی افادیت رکھتا ہے کہ اس طرح مظالم و مصائب دونوں کا اعلان ہوتا ہے اور میدان منیٰ اس کے لیے بہترین میدان ہے کہ وہاں حجاج کرام فرصت سے تین دن قیام کرتے ہیں اور راتوں کو ان کے پاس کوئی عمل نہیں ہوتا ہے۔

اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی آواز کو نامحرم نہیں قرار دیا گیا ہے ورنہ امام باقر علیہ السلام عورتوں کے میدان منیٰ میں رونے کی دعوت نہ دیتے اور سرکار دو عالمؐ جناب حمزہ کے غم میں مدینہ کی عورتوں کو رونے کی دعوت نہ دیتے۔

عورت کے لیے اپنی آواز نامحرم کو سنانا اور اس میں لگاوٹ پیدا کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے لیکن آواز گریہ میں یہ بات ہرگز نہیں ہوتی ہے البتہ کوئی عورت انفرادی طور پر اپنی آواز سنانے کا جذبہ رکھتی ہے یا غیر مخلصانہ عمل انجام دیتی ہے تو اس کا عمل حرام ہوگا لیکن اس سے اصل قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

فقہ اہلسنت میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ عورت کی آواز نامحرم نہیں ہے

اس لیے کہ ان کے یہاں تو دو تہائی دین خاتون ہی کی آواز میں پہونچا ہے اور صحابۂ کرام برابر خواتین سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

فقہی اعتبار سے گریہ و بکاء محبوب ـــ اور امام حسینؑ کی قربانیوں کے پیش نظر ایک امر مطلوب ہے جس کا اہتمام ہر صاحب ایمان کو کرنا چاہیے۔ قابل افسوس ان افراد کا کردار ہے جو گریہ کو عبادت، غرض خلقت، تقاضائے محبت قرار دینے کے باوجود ایک آنسو بہانے کی توفیق حاصل نہیں کرتے اور ذکر مصائب پر ان کی آنکھیں اس جذبۂ محبت کی ترجمانی نہیں کرتیں۔ رب کریم جملہ صاحبان ایمان کو قول و عمل میں مطابقت اور نیت میں اخلاص کی توفیق کرامت فرمائے۔!

پس منظر

اُن ضمیر فروش اور یتیم العقل اہلِ قلم کے علی الرغم جنھوں نے واقعۂ کربلا کو ایک اچانک حادثہ کی شکل میں پیش کرنا چاہا ہے اور امت اسلامیہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ "حر سے ملاقات کے بعد امام حسینؑ نے اس بات پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا کہ میں ابن زیاد کے پاس حاضری نہیں دوں گا۔ بلکہ جب یزید ہی کی بیعت کرنا ہے تو شام جا کر براہ راست اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور اس بنا پر آپ نے کوفہ کا ارادہ تبدیل کر کے شام کا رُخ کر لیا تھا اور یزید سے ملاقات کرنے کے خواہش مند تھے کہ اچانک ابن زیاد کے حکم پر سرزمین کربلا پر دوبارہ قافلہ کو روک دیا گیا اور اسے روکنے میں مزاحمت ہو گئی اور بالآخر امام حسینؑ اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔"

اس بے عقل اور بے دین تاریخ نویس کو اس قدر بھی شعور نہیں ہے کہ شام جانے والے کا راستہ کیا ہو گا اور وہ کوفہ کا راستہ چھوڑ کر کس رُخ سے شام کا ارادہ کرے گا۔ اور جس نے مدینہ میں واضح لفظوں میں یہ کہہ دیا ہے کہ مجھ جیسا انسان یزید جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا ہے، وہ یکبارگی اپنے ارادہ کو کس طرح تبدیل کر سکتا ہے اور اس کے ذہن پر موت کا خوف کس طرح طاری ہو سکتا ہے جب کہ اس نے بارہا اعلان کیا ہے کہ مجھے میرے نانا نے خبر دی ہے کہ مشیتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ میں قربانی دوں اور میرے اہلِ حرم اسیر ہوں تاکہ نانا کے دین کو بقا اور استحکام کا سہارا ملے۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ واقعۂ کربلا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے اور کربلا تاریخ کے تسلسل کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد آلِ رسولؐ اور دین اسلام کو فنا کر دینا تھا۔ اور جس کے لیے ایک عرصۂ دراز سے منصوبہ بندی ہو رہی تھی۔

سوال صرف یہ ہے کہ اس طرح کی منصوبہ بندی کے لیے کس قدر اہتمام کی ضرورت تھی اور اتنے بڑے اقدام کے لیے کتنے بڑے آدمی کی ضرورت تھی، اور کیا یزید میں یہ ساری

صلاحیتیں پائی جاتی تھیں کہ وہ امام حسینؑ جیسے مدبر اور مفکر انسان کا مقابلہ کرے اور ساری امت کو اپنا ہم خیال بنا کر امام حسینؑ کے سارے گھرانے کو ایک دوپہر میں تہ تیغ کرا دے یا یزید کا کاروبار ایک تاریخی سلسلہ کی آخری کڑی تھا جس کے لیے ایک مدت سے ذہن تیار کیے جا رہے تھے اور مزاجوں کو نئے سانچہ میں ڈھالا جا رہا تھا اور ہر آن اس لمحہ کا انتظار کیا جا رہا تھا جب طے شدہ مقدمات کا نتیجہ حاصل کیا جائے اور وہ آخری اقدام کیا جائے جس کی تیاری تقریباً نصف صدی سے کی جا رہی تھی۔

تاریخ اسلام میں وہ مناظر اور وہ عوامل و محرکات محفوظ ہیں جنھوں نے مسلمان ذہنیت کو مسخ کر دیا تھا اور امت کو اس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا جہاں غیرت اسلامی اور شرافت انسانی صرف الفاظ کی شکل میں باقی رہ جائے اور اس کی کوئی معنویت نہ رہ جائے۔ تفصیلی تذکرہ کے لیے اوراق اور صفحات نہیں بلکہ کتب اور مؤلفات درکار ہیں۔ اجمالی طور پر کربلا میں پیش آنے والے واقعات کے پس منظر میں صرف اُن واقعات کی نشان دہی کرائی جائے گی جنھوں نے امت کے مزاج کو درہم برہم کیا تھا اور غیرت اسلامی کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا اور جس کے بعد کوئی شخص بھی بے غیرتی کا مظاہرہ کر کے ایک قدم آگے بڑھ جائے تو امت اس کا ساتھ بھی دے سکتی تھی اور اس کے مظالم کو خندہ پیشانی سے برداشت بھی کر سکتی تھی۔ مثال کے طور پر چند نمونہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ یزیدی شرارت اور شیطنیت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اس نے بھرے دربار میں بکمال بے حیائی یہ اعلان کر دیا کہ اسلام صرف بنی ہاشم کا کھیل ہے اور نہ کوئی خبر آئی ہے اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قدر مجرمانہ خیال کو پیش کرنے کے بعد یزید کو زندہ نہیں رہنا چاہیے تھا اور رسول اکرمؐ کے کلمہ گو افراد کو اسے تہ تیغ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا، اور قوم نے نہایت آسانی سے اس اعلان کو سن لیا اور اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہ ہو سکا جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قوم اس طرح کے گستاخ فقرات کی عادی ہو چکی تھی اور اس کی نظر میں اس طرح کے اعلانات میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ قوم یہ سوچ رہی تھی کہ یزید تو رسول اکرمؐ کے انتقال کے بعد مدینہ سے سیکڑوں میل دور اپنے دربار میں اس طرح

کا اعلان کر رہا ہے۔ یزید کے پہلے کے با اقتدار مسلمانوں نے تو خود سرکار دو عالمؐ کی زندگی میں
ان کے سامنے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے اور اس پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے
کہ جب رسول اکرمؐ کی محفل میں اتنی بڑی گستاخی کی جاسکتی ہے تو رسول اکرمؐ کے بعد کیوں نہیں
کی جاسکتی ہے اور جب ہذیان کے الزام کو برداشت کیا جاسکتا ہے تو "فلا خبر جاء ولا وحیٌ
نزل"، کو کیوں نہیں برداشت کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ یزید کے مظالم کی ایک عظیم بنیاد یہ بھی تھی کہ اسے پورے عالم اسلام کا اقتدار
حاصل ہو گیا تھا اور وہ اسلامی سرزمین کے ۱۲½ لاکھ مربع میل پر حکومت کر رہا تھا۔ ظاہر ہے
کہ اس کے پاس اس قدر وسیع اختیار اور طویل و عریض اقتدار نہ ہوتا تو وہ اتنے بڑے اقدام
کا ارادہ بھی نہ کرتا۔ لیکن یہ اقتدار و اختیار یزید کی ذاتی صلاحیت یا اس کے حسن تدبیر کا نتیجہ
نہیں تھا۔ اس کے پس منظر میں بھی وہ نظام کام کر رہا تھا جس نے یزید جیسے افراد کی حکومت کے
لیے زمین ہموار کی اور پھر اس کے نتیجے میں اتنا بڑا واقعہ منظر عام پر آ گیا۔

رسول اکرمؐ کی وفات کے فوراً بعد اور آپ کے جسد اقدس کے دفن سے پہلے مسلمانوں میں
اقتدار کی جو رسہ کشی شروع ہوئی اور انصار و مہاجرین نے جس طرح اسلامی حکومت کا فیصلہ کیا اور
جن بنیادوں پر اقتدار پر قبضہ کیا گیا۔ ان کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا جو ہوا۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں
قرآن و سنت کو نظر انداز کر دیا گیا اور رسول اکرمؐ کے مقرر کردہ حاکم کو ناقابل توجہ قرار
دے دیا گیا اور اقتدار اسلامی کا سنگ بنیاد ملک، قوم، قبیلہ اور قرابت پر رکھ دیا گیا تو اس کا
فطری نتیجہ تھا کہ تمام اسلامی صلاحیتوں سے عاری اور تمام شریفانہ اصولِ کردار سے بے خبر
افراد امت کی تقدیر کے مالک ہو جائیں اور ابو سفیان جیسے انسان کو اپنے چشم و چراغ خاندان
سے یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ اب خلافت کو گیند کی طرح نچاؤ اور بنی امیہ کو کلیدی عہدوں کا مالک
بنا دو اور یاد رکھو کہ دنیا، دنیا ہے اور اقتدار، اقتدار۔ اس کے بعد نہ کوئی جنت ہے اور نہ جہنم۔
سقیفہ کا پہلا نتیجہ ابو سفیان کے اس اعلان کی شکل میں برآمد ہوا، اور دوسرا نتیجہ یزید کے
اقتدار اور اس کے مظالم کی شکل میں برآمد ہوا جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ :

"حسینؑ اندر سقیفہ کشتہ شد"

۳۔ یزید کے ساتھ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں بے شمار نمازی، روزہ دار اور
حافظانِ قرآن بھی شامل تھے جو مسلسل آیاتِ قرآن کی تلاوت کرتے جاتے تھے اور قتلِ حسینؑ کے
لیے خنجر تیز کرتے جاتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس قرآن نے مسلسل حسینؑ کی عظمت، صداقت،
طہارت، مودت کا اعلان کیا ہے اس کے پڑھنے والے اور حفظ کرنے والے کس طرح قتلِ حسینؑ
پر آمادہ ہو گئے اور انھوں نے امام حسینؑ کے حقوق کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ
یہ بھی ایک تاریخی حادثہ کا لازمی نتیجہ تھا۔ اگر رسول اکرمؐ کے وقت آخر قرآن لے کر اہلبیتؑ کو نظر انداز
کرنے کی بنیاد نہ رکھی گئی ہوتی اور رسول اکرمؐ کے سامنے حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ نہ لگایا گیا ہوتا
تو یزیدیوں میں اس انداز کے کردار کی جرأت نہ ہوتی اور انھیں بہر حال یہ احساس ہوتا کہ اہلبیتؑ
کو نظر انداز کر کے اور ان کے قتل کا منصوبہ بنا کر قرآن سے تمسک کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔
رسول اکرمؐ کو اس نتیجہ کی اطلاع تھی اور آپ حالیہ واقعات کے آئینہ میں بخوبی مستقبل کا مشاہدہ فرما رہے
تھے اسی لیے آپ نے اس نعرہ کی شدت سے مخالفت کی اور ایسے افراد کو محفل سے نکال باہر
کر دیا جنھوں نے ایسے مظالم کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور ایسے نظریات کا حوالہ دیا تھا جس کا نتیجہ
اتنے بڑے ظلم کی شکل میں برآمد ہونے والا تھا۔

۴۔ یزید کی حکومت کے جواز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عالم اسلام نے اس کے ہاتھ
پر بیعت کر لی تھی لہٰذا اس کی حکومت ایک جائز اسلامی حکومت تھی اگرچہ اس بیعت کی صحیح صورت حال
یہی تھی کہ امام حسینؑ کے بیعت سے انکار کرنے کی بنا پر ان کے سارے گھرانے کا خاتمہ کر دیا
گیا اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ مسلمان حاکم کو عوام کی بیعت سے سروکار ہے چاہے وہ بیعت
اختیاری اور رضامندی سے ہو یا مکمل جبر و اکراہ کے نتیجہ میں ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس قسم کی بیعت کو کس طرح گوارا کیا اور ایسے
بیعت لینے والے کو کس طرح حاکم تصور کر لیا؟ — اس کا جواب بھی ماضی کے اوراق پریشاں میں
محفوظ ہے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد جب امت اسلامیہ نے حکومت کا فیصلہ کر لیا تو پہلا
خیال یہ پیدا ہوا کہ لوگوں سے اس حکومت کی بیعت لی جائے اس لیے کہ جس حکومت کی بنیاد
قرآن و سنت کی نص اور خدا و رسولؐ کے ارشادات پر نہ ہو اس کا جواز عوامی رائے ہی سے

حاصل کیا جا سکتا ہے اور عوامی رائے حاصل کرنے کے لیے جبر و تشدد ہی استعمال کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ عوام اکثر اوقات جبر و اکراہ کے بغیر اتفاق رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ چنانچہ اسی تصور کا نتیجہ تھا کہ عوام کے ساتھ خواص اور امت کے ساتھ اہلبیتؑ کے ساتھ بھی ایک ہی طرح کا برتاؤ کیا گیا اور ان سے بھی بیعت کا مطالبہ کر دیا گیا اور انکار کی صورت میں گھر میں آگ لگا دینے کی دھمکی دی گئی اور بعض روایات کی بنا پر دروازے سے بلند ہوتا ہوا دھواں بھی دکھائی دیا، تو ظاہر ہے کہ ابتدائی دور میں اس طرح کی بیعت کو حکومت کا جواز نہ سمجھا گیا ہوتا اور اس شدت سے بیعت کا مطالبہ نہ کیا گیا ہوتا اور انکار کی صورت میں آگ لگانے کی بات نہ کہی گئی ہوتی تو نہ یزید خلیفۃ المسلمین ہوتا، نہ اسے امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنے کی ہمت ہوتی اور نہ انکار کی صورت میں خیام حسینی میں آگ لگانے کا حکم دیا جاتا۔ یہ سب انھیں ابتدائی حالات کے نتائج تھے جنھیں کربلا کے قریب ترین مقدمات میں شمار کیا جا سکتا ہے اور جن کی بنا پر کربلا ایک وقتی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی تسلسل کا نتیجہ ہے جس کے مقدمات و مقومات میں بڑے بڑے واقعات اور بڑے بڑے افراد کے نام آتے ہیں۔

۵۔ یزید نے امام حسینؑ سے بیعت لینے کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا ان کی آخری کڑی یہ سامنے آئی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں تو انھیں بے آب و گیاہ صحرا میں محصور کیا جائے اور ان کے بچوں پر پانی بند کر دیا جائے اگرچہ اس سلسلے میں مظلومیت عثمان کا سہارا لیا گیا تھا جس کا امام حسینؑ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ صرف ایک بہانہ اور عوام کو ورغلانے کا ایک ذریعہ تھا ورنہ امام حسینؑ نے تو اس محاصرہ کے دوران بھی انتہائی کمال کردار کا مظاہرہ کیا تھا جو ایسے بپھرے ہوئے مجمع کے مقابلہ میں کوئی اپنے عزیز ترین آدمی کے بارے میں بھی اختیار نہیں کر سکتا جیسا کہ تاریخ خود گواہی دیتی ہے کہ شام کی فوجیں شہر سے باہر رکی رہیں اور واقعہ کے واقع ہو جانے تک کسی دفاعی اقدام کے لیے تیار نہ ہوئیں۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت منوانے اور بیعت حاصل کرنے کا یہ کون سا طریقہ تھا۔ بیعت تو ایک رضامندی کا سودا ہے جو انسان ہنسی خوشی کسی کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے اختیار کرتا ہے اس کے لیے کھانا پانی بند کرنے کی ضرورت نہیں

ہوتی ہے اور ایسے اقدام میں اسلامی مزاج کو یقیناً برہم ہو جانا چاہیے تھا اور یزید کے خلاف انقلاب کی ایک لہر دوڑ جانا چاہیے تھی جو کام شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہ ہو سکا ــــ اور شہادت امامؑ ہی نے اس تحریک کو پیدا کیا اور ملت کے سرد لہو میں حرارت کی لہر دوڑا دی۔

اس کا راز بھی بظاہر ماضی کی تاریخ ہی میں پایا جاتا ہے جب مولائے کائنات سے بیعت لینے کے لیے اقتصادی محاصرہ کو ذریعہ بنایا گیا تھا اور حق ذوی القربیٰ کے ساقط کرنے سے فدک پر قبضہ کر لینے تک کسی وسیلہ سے دریغ نہیں کیا گیا اور امت کو محسوس کرا دیا گیا کہ حکومت وقت سے اختلاف کرنے کے نتیجہ میں اقتصادی محاصرہ کوئی عیب اور غیر اسلامی اقدام نہیں ہے بلکہ مخالف کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ بھی کیا جا سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کو بھی اس طرح کے اقدام کی جرأت ہو گئی اور امت اسلامیہ کا احساس بیدار نہ ہو سکا۔

تاریخ میں ایک قدم پیچھے چلے جائیے تو یہی برتاؤ خود رسول اکرمؐ کے ساتھ بھی کیا گیا تھا۔ جب آپ نے قولوا لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کی اور کسی قیمت پر کفر سے ہم خیال اور ہم آواز ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے تو کفار مکہ نے آپ کا معاشی بائیکاٹ کر دیا اور آپ کو اپنے گھر والوں سمیت تین سال تک نہایت پریشانی کی زندگی گذارنا پڑی اور درختوں کے پتوں تک پر گذارا کرنا پڑا۔

کفر کا یہی اقدام نظیر بن کر اسلام میں داخل ہوا اور مسلمانوں نے بھی اپنے مخالفین کے ساتھ یہی برتاؤ روا کر لیا اور ظاہر ہے کہ جب سرکار دو عالمؐ کی تربیت کردہ قوم میں ایسے عناصر پیدا ہو سکتے ہیں تو یزید کو تو یہ شرف بھی حاصل نہ تھا اور وہ ایک طرف سے ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بیٹا تھا تو دوسری طرف سے عیسائی گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور ایسے شخص سے اسلام کے بارے میں ایسی ہی توقعات کی جا سکتی ہیں جن کا مظاہرہ اس کے کردار سے ہوا، اور جس کے ذریعہ اس نے قدیم تاریخ کے بہت سے ورق الٹ دیے اور تاریخ کو پھر سے دہرا دیا۔

۶۔ یزید نے امام حسینؑ سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک یہ حربہ بھی اختیار کیا کہ اسلامی حکومت کے تمام اہم عہدے اپنے خاندان والوں کے حوالے کر دیے اور کسی حاکم نے بھی اہلبیتؑ کے ساتھ قدرے نرم رویہ کا تصور بھی کیا تو اسے فوراً برخاست کر دیا گیا اور اس کی

جگہ دوسرے فظّ غلیظ کا تقرر کر دیا گیا اور یہ سبق بھی اس نے اپنی خاندانی تاریخ سے سیکھا تھا جب خلافت سوم کے آغاز پر اس کے دادا ابوسفیان نے حاکم وقت کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ حکومت کے مرکزی عہدے بنی امیّہ کے حوالے کر دو اور خلافت کو گیند کی طرح نچاؤ اس لیے کہ جنّت و جہنّم کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور حاکم نے بھی نہایت سعادت مندی سے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور تمام اہم عہدوں پر خصوصیت کے ساتھ ان علاقوں میں جن میں اہلبیتؑ کے ماننے والے پیدا ہو سکتے تھے بدترین عمال اور گورنر مقرر کر دیے۔ کوفہ پر سعید بن العاص کو مقرر کیا جس کا کردار عالم آشکار ہے۔ مصر پر عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا جو حاکم وقت کا ماموں زاد بھائی تھا اور اہم مرکزی مقامات پر ولید بن عقبہ فاسق اور عبداللہ بن سعد کو گورنر بنایا جن میں اوّل الذکر ایسا بے دین تھا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھانے کے بعد بھی مجمع سے پوچھ رہا تھا کہ کہو تو کچھ اور اضافہ کر دیا جائے اور ثانی الذکر خلیفۂ وقت کا رضاعی بھائی تھا۔ اس کے بعد اپنے افراد خاندان کو دولت اور جاگیر بخشنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کا حساب لاکھوں بلکہ کروڑوں سے گزر گیا۔

ظاہر ہے کہ جب رسول اکرمؐ سے نسبتاً قریب ترین زمانہ میں اور رسول اکرمؐ سے رشتہ داری رکھنے کے بعد انسان اپنے بزرگ خاندان کے مشورہ پر ایسا عمل کر سکتا ہے تو یزید تو ان خصوصیات کا حامل نہ تھا اور اس کے لیے ابوسفیان حقیقی دادا کی حیثیت رکھتا تھا اسے تو اس وصیت و نصیحت کا خاص خیال رکھنا چاہیے تھا اور اسی طرح کے کردار کو اختیار کرنا چاہیے تھا۔

اور یہ نتیجہ اُس کج روی کا ہے جو عالم اسلام میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کی بنا پر یزید جیسے بدکردار انسان کو حکومت کا موقع مل گیا تھا اور پھر حکومت کو سنبھالنے کے لیے ہر وسیلہ اور ہر ذریعہ مباح ہو گیا تھا۔

اس کے علاوہ تاریخ میں اور بہت سی کڑیاں پائی جاتی ہیں جن کو مرتب کر لیا جائے تو تاریخی مادیت کے اعتبار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کے بعد امت اسلامیہ نے جو روش اختیار کی تھی اس کا نتیجہ لازمی طور پر ایسا ہی برآمد ہونا چاہیے تھا۔ یہ اور بات ہے کہ سیاست اور ذمہ داری کے اعتبار سے ہر وہ شخص روز قیامت مسئول ہوگا جس نے حالات کو اس ابتری تک

پہونچانے میں کسی طرح کا بھی رول ادا کیا تھا اور جس کی کسی بھی انفرادی یا اجتماعی حرکت سے حالات اس قدر افسوسناک اور ناگفتہ بہ ہو گئے تھے اور ملت اسلامیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی حقیقی قیادت اور واقعی دیانت سے محروم ہو گئی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کربلا کے حصۂ مظالم کا مسودہ منتشر اوراق میں بہت دنوں سے جمع ہو رہا تھا اور ظلم اس موقع کی تلاش میں تھا جب ان اوراق پریشاں کو مرتب کر کے ایک پورے صحیفہ ظلم کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دے جس طرح کہ حصہ مظلومیت و کردار بھی امام حسینؑ کے بزرگوں اور افراد خاندان کی زندگی میں منتشر تھا اور امام حسینؑ نے پورے کردار کو مرتب کر کے ایک وقت میں پیش کر دیا اور بیک وقت تمام انبیاء کے کارناموں کا مظہر بن گئے بلکہ اس سے بھی بالاتر۔

از ہیچ پیمبرے نہ آید ایں کار
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

منظر کربلا

عاشور کی رات تمام ہو رہی ہے، سپیدۂ سحری نمودار ہو رہا ہے اور امام حسینؑ اپنے قدیم مؤذن حجاج بن مسروق کو روک کر اپنے فرزند علی اکبرؑ کو حکم اذان دے رہے ہیں کہ امام حسینؑ کے پاس کلمہ گو منافقین کے مقابلہ میں علی اکبرؑ سے بہتر اتمام حجت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

علی اکبرؑ صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں رسول اکرمؐ کی شبیہ ہیں' اور دشمن کو معلوم ہے کہ شبیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے اصل سے عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔

علی اکبرؑ نے اذان کہی اور یہ آواز ساری فضائے کربلا میں گونج گئی۔ امام حسینؑ اپنے باوفا اصحاب کے ساتھ نماز صبح کے لیے تیار ہوئے۔ پانی موجود نہیں ہے کہ تجدید وضو کرتے۔ خاکِ گرمِ کربلا پر تیمم کر کے اصحاب صف بستہ ہو گئے اور امام حسینؑ نے نماز شروع کر دی۔

ساری رات عبادت الٰہی، تلاوت، ذکر و فکر اور رکوع و سجود میں گزارنے والی قوم اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے آمادہ ہو گئی اور زندگی کی آخری قدرے پرسکون نماز ادا کرنے کے لیے خاک کے مصلیٰ پر استادہ ہو گئی۔

نماز تمام ہوئی تھی کہ فضائے کربلا میں ایک آواز گونجی — قوم والو! گواہ رہنا —! خیام حسینی کی طرف پہلا تیر میں نے رہا کیا ہے — یہ تھا سردار لشکر ابن سعد جو اپنی ریاست و سرداری کے تحفظ کے لیے اور ملک رَے کی گورنری کو بچانے کے لیے فرزند رسولؐ کے خلاف جنگ چھیڑنے کا اعلان کر رہا تھا۔ اور چند روزہ دنیا کے عوض ہمیشہ رہنے والی آخرت کو بیچ رہا تھا۔

ابن سعد کا آواز دینا تھا کہ تیروں کی بوچھار شروع ہو گئی اور لشکر یزید کے چار ہزار

کمان داروں نے سردار کے اتباع میں تیروں کا مینھ برسانا شروع کر دیا۔

اُدھر امام حسینؑ نے بھی اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تیر نہیں ہیں۔ یہ موت کے سفیر ہیں لہٰذا اب مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ اصحاب نے مورچہ سنبھال لیے مگر یہ آمنے سامنے کی جنگ اور افراد کی باہمی نبرد آزمائی نہیں تھی کہ جنگ کا مظاہرہ ہوتا اور مجاہدین کی شجاعت کے جوہر کھلتے۔ یہ دشمن کا انتہائی بزدلانہ حملہ تھا جس کے مقابلہ کے اسباب اصحاب امام حسینؑ کے پاس ناپید تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیر باراں کے خاتمہ پر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کا جائزہ لیا تو چالیس سے پچاس تک اصحاب و انصار راہ خدا میں کام آچکے تھے جن کے اسمار گرامی بعض ارباب مقاتل کے بیان کے مطابق یہ ہیں:

نُعَیم بن عجلان، عمران بن کعب بن حارث، حنظلہ بن عمرو شیبانی، قاسط بن زہیر، کنانہ بن عمرو بن ضُبیعہ، ضرغامہ بن مالک، عامر بن مسلم، سیف بن مالک، عبدالرحمان الارحبی، عائذ بن مجمع العائذی، حباب بن الحارث، عمرو الجُندعی، حُلاس بن عمرو راسبی، سوّار بن ابی عمیر، عمار بن ابی سلامہ، نعمان بن عمرو، زاہر مولی، عمرو بن عبداللہ جندَ بن علی، مسعود بن الحجاج، عبداللہ بن عروہ الغفاری، زہیر بن سلیم، عبداللہ بن یزید بصری، عبیداللہ بن یزید بصری، دس غلامان امام حسینؑ، اور دو غلامان امیرالمومنینؑ ———— (مناقب)

ظاہر ہے کہ اصحاب کی اتنی بڑی تعداد کے شہید ہو جانے کے بعد لشکر امام حسینؑ میں ایک نمایاں کمی ہو گئی اور امام حسینؑ کو پہلے ہی مرحلہ میں اتنی بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا جس کا تحمل مشکل تھا۔ لیکن مشکل کشا کے لال کے لیے کوئی امر مشکل نہیں ہے۔ امام حسینؑ کے حوصلے بلند ہیں اور اصحاب کے حوصلے امام کے طفیل میں بلند ہیں اور سب قربانی کے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد جب باضابطہ جنگ کا آغاز ہوا تو باقی ماندہ اصحاب مکمل حوصلہ کے ساتھ داد شجاعت دینے کے لیے تیار ہو گئے اور ایک کے بعد ایک راہِ خدا میں جان قربان کرنے لگا۔

سب سے پہلے عبداللہ بن عمیر کلبی میدان میں آئے اور ایک عظیم جہاد کے بعد راہِ خدا میں قربان ہو گئے، عبداللہ کے بعد سیف بن حارث بن سریع جابری اور مالک بن عبد بن سریع

جابری میدان میں آئے اور دونوں نے جہاد کا حق ادا کیا۔

ان دونوں کے بعد بنی غفار کے دو مجاہدین نے میدان میں قدم رکھا۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن (فرزندانِ عروہ غفاری) ان دونوں حضرات کے راہِ خدا میں کام آجانے کے بعد چار افراد نے میدان کا رُخ کیا عمرو بن خالد صیداوی، سعد، جابر بن حارث السلمانی اور مُجمع اور سب نے داد وفا دے کر جام شہادت نوش کیا۔ اور آخر میں مسلم بن عوسجہ نے میدان کا رُخ کیا اور ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کے حوصلے پست کر دیے اور چلتے چلتے حبیب بن مظاہر کو وصیت کر گئے کہ جب تک زندہ رہنا امام مظلوم کا خیال رکھنا۔

اصحاب کی اس بے مثال قربانی کے بعد ظہر کا ہنگام آگیا اور امام حسینؑ نے حبیب بن مظاہر کو جنگ بندی کا پیغام دے کر بھیجا۔ جس کا جواب بدترین انداز سے دیا گیا اور امام حسینؑ نے مکمل دفاعی انتظام کے ساتھ نماز شروع کر دی۔ زہیر بن قین اور سعید امامؑ کے سینہ سپر ہو گئے اور نماز تمام ہوتے ہوتے سعید نے خاک پر گر کر آواز دی، فرزند رسولؐ! کیا میں نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ اور امام حسینؑ نے سند وفا دے کر دنیا سے رخصت کر دیا۔

اس کے بعد جنگ کا دوسرا سلسلہ شروع ہوا، اور اِدھر سے حبیب بن مظاہر اور ابو ثمامہ میدان میں آئے اور دادِ شجاعت دے کر رخصت ہو گئے۔

ان کے بعد حر بن یزید، زہیر بن قین اور ان کے چچا زاد بھائی سلمان بن مضارب نے میدان جہاد کا رُخ کیا۔ اور خوب خوب جنگ کی۔ بعض روایات کی بنا پر حر سے پہلے ان کے جوان فرزند علی بن حر نے بھی قربانی پیش کی۔ لیکن ان تینوں حضرات کے بعد عمرو بن قرظہ میدان میں آئے اور ان کی شہادت کے بعد نافع بن ہلال جملی نے شجاعت کے جوہر دکھلائے۔ نافع کے بعد دو غلام واضح اور اسلم میدان میں آئے اور اسلام میں نسل و رنگ کی تفریق کا خاتمہ کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

ان غلاموں کے بعد بریر بن خضیر کی باری آئی اور انھوں نے دشمنوں پر ہر طرح حجت تمام کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

پھر اس کے بعد حنظلہ بن سعد شبامی نے شہادت پائی اور ان کے بعد دو عظیم سپاہی میدان میں آئے جن کے نام سے دشمن لرز جاتے تھے اور جن کی خاندانی شجاعت کا شہرہ زبان زد خاص و عام تھا جناب عابس بن شبیب شاکری اور ان کے ہمراہ شاکر کے غلام شوذب جنھوں نے شجاعت کا سبق اپنے آقا کے گھرانے سے سیکھا تھا اور منزل قربانی میں غلامی اور آزادی کے تفرقہ پر خط نسخ کھینچ دیا تھا۔

ان بہادران عرب کے قربان ہو جانے کے بعد جناب ابوذر کے غلام جون کی باری آئی اور جون نے راہِ خدا میں قربان ہوتے ہوتے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ شرف شہادت کے لیے رنگ یا نسل یا قوم اور قبیلہ کی شرط نہیں ہے۔ اس شرف کے لیے ایمان اور کردار کی ضرورت ہے اور یہ کسی بھی نسل یا قوم کی میراث نہیں ہے۔

جون کے بعد انس بن حارث بن نبیہ الکاہلی میدان میں آئے اور ان کی شہادت کے بعد عمرو بن جنادہ نے میدان میں قدم رکھا۔ یہ عمر کے اعتبار سے کمسن تھے لیکن ہمت و حوصلہ کے اعتبار سے بالکل جواں مرد اور مکمل طور سے آزمودہ کار سپاہی کی طرح جہاد کرنے والے تھے۔

عمرو بن جنادہ کے قربان ہو جانے کے بعد امام حسینؑ کے مستقل موذن حجاج بن مسروق کی باری آئی اور حجاج کی قربانی نے یہ واضح کر دیا کہ لشکر یزید کی نگاہ میں داعیِ حق کی کوئی قیمت نہیں ہے اور یہ فوج اذان اور نماز کی بھی کسی اہمیت کی قائل نہیں ہے۔ ورنہ جو انسان چھ ماہ سے مستقل دعوت نماز دے رہا ہے اور ہر نماز کے وقت بآواز بلند اذان دے رہا ہے اس کے اس شرف مؤذنیت کا تو خیال کیا جاتا اور اس پر تلوار نہ اٹھائی جاتی۔

حجاج کی شہادت کے بعد سوار بن ابی عمیر نے قربانی پیش کی اور اس کے بعد لشکر امام حسینؑ کے آخری صحابی سوید بن عمرو بن ابی المطاع میدان میں آئے اور ان کی قربانی کے ساتھ اصحاب و انصار کی قربانی کا سلسلہ تمام ہو گیا اور امام حسینؑ کے جملہ اصحاب راہِ خدا میں کام آگئے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نماز ظہر کے ہنگام امام عالی مقام کے ساتھ نماز ادا کرنے والے اصحاب صرف چند افراد تھے جنھوں نے ظہر کے بعد قربانی پیش کی ہے ورنہ سب حملہ اولیٰ میں یا اس کے فوراً بعد راہ خدا میں کام آچکے تھے۔

اس کے بعد اعزا اور بنی ہاشم کے جوانوں کی باری آئی۔

بنی ہاشم کے شہداء کی ترتیب کے بارے میں علماء اعلام کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں اور مؤرخین نے بھی مختلف ترتیب کے ساتھ ان قربانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن تمام بیانات کے دیکھنے کے بعد جو ترتیب سامنے آتی ہے اس کا اندازہ اس ایک حقیقت کے اندازہ کے بعد بالکل آسان ہوجاتا ہے کہ کربلا کے شہداء کو "شہداء بنی ہاشم" ضرور کہا جاتا ہے اور یہ سب مورث اعلیٰ کے اعتبار سے ہاشمی سیادت و شرافت ہی کے وارث ہیں۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ ان کا کوئی تعلق جناب ہاشم کی دیگر اولاد سے نہیں تھا، اور یہ سب نسل ابوطالب سے تعلق رکھتے تھے اور اس اعتبار سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کربلا کی قربان گاہ پر صرف اولاد ابوطالب نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے اور اسلام حقیقی اپنی بقا میں صرف اولاد ابوطالب کا شرمندۂ احسان ہے۔ اس کے علاوہ اولاد ہاشم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی احسان اسلام کی گردن پر ہو۔ بلکہ سب کی گردن پر اسلام اور اولاد ابوطالب کا احسان ہے کہ انھوں نے قربانی دے اسلام کو بچالیا اور مسلمان کو مسلمان کہلانے کا موقع فراہم کیا ورنہ مسلمان ہونا بھی ایک جرم ہوتا اور کسی انسان میں اس قدر ہمت نہ ہوتی کہ بنی امیہ کے درندوں کے مقابلہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ـــ اور شعائرِ اسلامی پر عمل پیرا ہوسکتا۔

اولاد ابوطالبؑ کو نگاہ میں رکھنے کے بعد قربانیوں کی ترتیب کا اندازہ کرنا بڑی حد تک آسان ہوجاتا ہے۔ صرف ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ کی حیثیت دیگر شہداء بنی ہاشم سے قدرے مختلف تھی اور وہ اس بنیاد پر کہ علی اکبرؑ ہر اعتبار سے رسول اکرمؐ سے مشابہت رکھتے تھے اور امام حسینؑ کے پاس اتمام حجت کے لیے علی اکبرؑ سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں تھا اور اس لیے آپ نے جہاد کربلا کے آغاز کا کام علی اکبرؑ کے حوالے کر دیا، صبح عاشور کی اذان علی اکبرؑ نے دی تاکہ فوج یزید رسول اکرمؐ کا لہجہ سن کر اپنی غلطی اور بے دینی کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس طرح ہلاک بھی ہو تو دلیل اور حجت کے قیام کے بعد اور امام حسینؑ قربانی بھی پیش کریں تو حجت تمام کرنے اور حق و حقانیت کا اعلان کرنے کے بعد۔

حضرت علی اکبرؑ کی اسی خصوصیت کی بنا پر انھیں صبح عاشور اذان کے لیے مقدم کیا گیا اور بعد ظہر خاندان کی قربانیوں کے موقع پر سب سے پہلے میدان میں بھیجا گیا اور روایات و زیارات

میں انھیں اول قتیل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ـ ورنہ اس نکتہ سے قطع نظر کرلیا جائے تو قدرت نے اولاد ابوطالب کو شہادت کا شرف بھی اسی ترتیب کے ساتھ عنایت فرمایا ہے جس ترتیب کے ساتھ انھیں لباس وجود سے آراستہ کیا تھا۔ یعنی جناب ابوطالب کے چار فرزند تھے۔ طالب، عقیل، جعفر اور علیؑ۔ اور ہر ایک دوسرے سے دس سال بڑا تھا۔

اور اس اعتبار سے سب سے پہلے فرزند جناب طالب تھے جن کی اولاد کا کوئی سُراغ تاریخ کربلا میں نہیں ملتا ہے۔ اس کے بعد ان سے دس سال چھوٹے جناب عقیل تھے لہٰذا قدرت نے کربلا میں شہادت کا شرف بھی سب سے پہلے اولاد عقیل کو عطا کیا اور اولاد عقیل میں سفیر حسینی کی حیثیت سے جناب مسلمؑ سب سے پہلی قربانی پیش کرچکے تھے اس لیے قدرت نے کربلا میں بھی قربانی کا شرف سب سے پہلے انھیں کے فرزند کو عطا کیا جو مسلم کی قربانی کی قبولیت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

مورخین کربلا کے بیان کے مطابق اول قتیل جناب علی اکبرؑ کے بعد سب سے پہلے عبداللہ بن مسلم میدان میں آئے اور باپ کی جیسی شیرانہ شجاعت کا مظاہرہ کرکے راہ حق میں قربان ہوگئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ اولاد عقیل کام آئیں۔

جعفر بن عقیل، عبدالرحمان بن عقیل، محمد بن عقیل، عبداللہ اکبر بن عقیل، محمد بن ابی سعید بن عقیل، محمد بن مسلم بن عقیل اور علی بن عقیل۔

اولاد عقیل کی قربانیوں کے بعد اولاد جعفر طیّار کی باری آئی۔ اس لیے کہ اولاد جناب ابوطالبؑ میں جناب جعفر طیّار جناب عقیل سے دس سال چھوٹے تھے۔

اولاد جعفر طیّار میں جناب عبداللہ بن جعفر مصالح امامت کی بنیاد پر مدینہ میں رہ گئے تھے لہٰذا ان کی نیابت میں ان کی اولاد نے قربانیاں پیش کیں۔ عون بن عبداللہ بن جعفر جن کی والدہ گرامی جناب زینبؑ تھیں اور محمد بن عبداللہ بن جعفر اور عبیداللہ بن جعفر جن کی مادر گرامی بعض مورخین نے جناب خوصاء کو قرار دیا ہے۔

اولاد جعفر طیّار کے بعد اولاد علیؑ کی باری آئی کہ جناب امیرالمومنینؑ جناب جعفر طیّار سے دس سال چھوٹے تھے۔ البتہ اولاد علیؑ کی قربانی میں جناب عباس علمدار نے یہ اہتمام رکھا کہ پہلے چھوٹے

بھائیوں کو راہِ حق میں قربان کیا اور اس کے بعد خود میدان میں آئے اور اس کے دو بنیادی اسباب تھے:

ایک سبب یہ تھا کہ جناب عباس علمدارِ لشکر تھے، اور علمدار لشکر کو آخری مرحلہ تک لشکر کی نگرانی کرنا پڑتی ہے اور دوسرا سبب یہ تھا کہ جناب عباسؑ اس عظیم مصیبت کو بھی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ لشکر، سردار کی نگرانی میں جہاد کرے اور اس کی ہدایات کے مطابق قربانی پیش کرے۔

اولادِ علیؑ میں جناب عباسؑ نے سب سے پہلے عبداللہ بن علیؑ کو بھیجا۔ اس کے بعد جعفر بن علیؑ کو روانہ کیا اور ان کی شہادت کے بعد عثمان بن علیؑ کو راہِ حق میں قربانی کی دعوت دی اور آخر میں خود بھی قربان ہوگئے۔

ان حضرات کے علاوہ بھی اولادِ علیؑ میں دو نام اور ذکر کیے جاتے ہیں۔ محمد اصغر بن علیؑ اور عباس اصغر بن علیؑ۔ لیکن یہ دونوں حضرات جناب ام البنین کی اولاد میں نہیں تھے۔

جناب امیرالمومنینؑ کی براہ راست اولاد کے قربان ہو جانے کے بعد ان کی نسل کی باری آئی اور وہاں بھی یہی ترتیب برقرار رہی کہ امام حسنؑ بڑے بھائی تھے۔ تو ان کی اولاد پہلے قربان ہوئی اور امام حسینؑ چھوٹے تھے تو ان کی اولاد کی قربانی بعد میں پیش ہوئی اور اسے آخری قربانی قرار دیا گیا۔

اولادِ امام حسنؑ میں جن شہداء کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں عبداللہ بن الحسن، قاسم بن الحسن نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کے بعد اولادِ امام حسینؑ میں حضرت علی اصغرؑ کی قربانی پیش کی گئی اور اس طرح جناب علی اکبرؑ کی حیثیتِ اتمام حجت اور جناب عباسؑ کی حیثیتِ علمداری و سرداری کو الگ کر لیا جائے تو کربلا میں اولادِ ابوطالب نے نہایت درجہ منظم اور مرتب انداز سے قربانیاں پیش کی ہیں اور بقاءِ حق و حقانیت اور زندگی دین و مذہب میں اولادِ ابوطالبؑ کے علاوہ کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ابوطالبؑ نہ ہوتے تو اسلام پیش نہ ہو سکتا اور ابو طالب کی اولاد نہ ہوتی تو اسلام زندہ نہ رہ سکتا۔ والسلام علیہم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہیدِ کربلا

۱۔ امام حسینؑ دربارِ ولید میں

حاکم دیکھ!۔۔۔ ہم اہلبیتؑ نبوت اور معدن رسالت ہیں، ہمارے گھر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ امور کی ابتدا و انتہا ہم سے ہے۔ یزید ایک شرابی اور قاتلِ نفسِ محترم شخص ہے۔ اس کا فسق و فجور واضح ہے۔ اور مجھ جیسا انسان اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرسکتا ہے۔ البتہ صبح ہونے دے اس وقت غور کیا جائے گا کہ ہم میں واقعاً مستحق خلافت کون ہے؟

(مثیرالاحزان ابن نما حلیؒ)

۲۔ امام حسینؑ قبرِ رسولؐ پر

خدا کے رسول آپ پر میرا سلام! میں حسینؑ ابن فاطمہؑ آپ کا فرزند اور آپ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ آپ نے مجھے اپنا وارث بنا کر چھوڑا ہے۔ لیکن گواہ رہیئے گا کہ اس امت نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میری حفاظت نہیں کی ہے۔ اب آپ کی بارگاہ میں میری فریاد ہے یہاں تک کہ میں خود آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ (بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۲۸)

پروردگار! یہ تیرے نبی حضرت محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ جو حالات پیش آئے ہیں وہ تجھے معلوم ہیں۔ میں نیکیوں کو دوست رکھتا ہوں، برائیوں سے نفرت کرتا ہوں۔ اے ذوالجلال والاکرام! تجھے صاحبِ قبر کا واسطہ۔ میرے لیے وہ چیز پسند کرنا جس میں تیری اور پیغمبر کی رضا ہو۔!

۳۔ امام حسینؑ اور محمد حنفیہؒ

برادر!۔۔۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے نصیحت فرمائی اور اپنے اعتبار

سے نیک مشورہ دیا۔ لیکن میں مکہ کی طرف جانے کا عزم کرچکا ہوں اور میرا اور میرے برادران اور اقربا کا عزم مکمل ہے۔ ان سب کا خیال ایک اور سب کا ارادہ متحد ہے۔ آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو مدینہ میں رہیں اور مجھے دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر کرتے رہیں۔

(مقتل محمد بن ابی طالب)

۴۔ امام حسینؑ اور حضرت اُمّ سلمہ

نانی !۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے ظلم وستم کے ساتھ شہید ہونا ہے۔ مشیت یہی ہے کہ میرے اہلِ حرم دربدر پھرائے جائیں، میرے بچّے ذبح کیے جائیں، انھیں قیدی بنایا جائے اور فریاد کریں تو کوئی ان کا فریاد رس نہ ہو، اسی میں دین کی بقا اور حیات ہے۔

نانی !۔ میں آج نہ جاؤں گا تو کل جاؤں گا، اور کل نہ جاؤں گا تو پرسوں جاؤں گا۔ موت سے کوئی مفر نہیں ہے۔ میں وہ دن اور ساعت بھی جانتا ہوں جب مجھے قتل ہونا ہے اور وہ جگہ بھی جانتا ہوں جہاں مجھے دفن ہونا ہے۔ گویا میں وہ جگہ دیکھ رہا ہوں اور آپ چاہیں تو آپ کو بھی دکھلا دوں۔ یہ کہہ کر جگہ دکھلادی اور ایک مُشتِ خاک اُٹھا کر جناب ام سلمہ کو دے دی کہ جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھ لیجیے گا کہ میرا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ (مقتل عوالم ص ۲۷)

۵۔ امام حسینؑ اور عبداللہ ابن عمر

اے عبداللہ !۔ دنیا کی پستی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کا سر ایک زنا زادے کے سامنے پیش کیا گیا اور میرا سر بھی ایک ایسے ہی آدمی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کے درمیان ستّر انبیاء کو قتل کر کے یوں کاروبار کرتے تھے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے بعد بھی اللہ نے فی الفور بدلہ نہیں لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں انھیں فنا کر دیا۔ (لہوف)

۶۔ وصیّت نامۂ امام حسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ کی وصیّت ہے محمد حنفیہ کے نام ۔ حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حضرت محمد مصطفےٰؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، ان کا پیغام حق اور جنت و جہنم سب برحق ہیں۔ قیامت بہرحال آنے والی ہے اس میں کسی شک

اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس وقت اللہ سب کو قبروں سے نکالے گا۔

میں کسی تفریح، غرور، فساد اور ظلم کے ارادہ سے نہیں نکل رہا ہوں۔ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح چاہتا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ نیکیوں کا حکم دوں اور بُرائیوں سے روکوں، اپنے باپ اور نانا کی سیرت پر چلوں۔ اس کے بعد جو میری بات کو قبول کرلے گا تو اللہ اولیٰ بالحق ہے، اور جو رد کر دے گا اس کے رد کر دینے پر صبر کروں گا، یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ میری وصیت ہے اور میری توفیقات اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف توجہ ہے۔ (مقتل العوالم ص ۵۴)

۷۔ امام حسینؑ کا خط اہلِ بصرہ کے نام

امابعد ! اللہ نے حضرت محمدؐ کو منتخب کر کے اپنا نبی اور رسول بنایا اور پھر اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ انھوں نے بندگانِ خدا کو نصیحت کی، پیغامِ الٰہی کو پہونچایا۔ ہم ان کے اہلبیتؑ اولیاء اور وارث ہیں۔ قوم نے ہمارے اوپر سبقت کی اور ہم نے برداشت کر لیا کہ ہم افتراق کو ناپسند کرتے ہیں اور عافیت چاہتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ ہم اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ میں اس پیغام کے ذریعہ تم کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی دعوت دیتا ہوں۔ سنت کو مُردہ بنا دیا گیا ہے اور بدعت زندہ کی جارہی ہے۔ اگر تم لوگ میری بات مانوگے تو میں تمھیں حق کی ہدایت کروں گا۔

(طبری ص ۲۰۰)

۸۔ اہلِ کوفہ کے خط کا جواب

تم نے میرے آنے کے بارے میں جس اشتیاق کا اظہار کیا ہے اس کا حال مجھے معلوم ہوا۔ میں اس وقت اپنے چچا زاد بھائی اور میرے گھر والوں میں سے ایک معتبر فرد مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ اگر صورت حال وہی ہے جس کا تم لوگوں نے اظہار کیا تو میں جلد تمھاری طرف آرہا ہوں۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۸)

۹۔ مکّہ سے روانگی

خدا کا شکر ہے۔ ساری قوت اسی کے سہارے ہے۔ صلوات وسلام حضرت مرسلؐ پر۔ موت

ابن آدم کے گلے کا ہار ہے۔ میں اپنے بزرگوں سے ملنے کا مشتاق ہوں جیسے یعقوبؑ یوسفؑ سے ملنے کے مشتاق تھے۔ میں اپنے آخری مرکز تک بہر حال جاؤں گا۔ بلکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بنی امیہ کے درندے انسان مجھ کو نواویس و کربلا کے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور اپنے ظلم وستم کے پیٹ بھر رہے ہیں۔ مرضیٔ خدا ہم اہلبیتؑ کی مرضی ہے، ہم اس کے امتحان پر صابر ہیں، وہی بہترین اجر دینے والا ہے جس سے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور وعدۂ الٰہی پورا ہو۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہتا ہو اُسے معلوم رہے کہ میں صبح جا رہا ہوں۔ لقائے الٰہی کے لیے نفس آمادہ ہے تو میرے ساتھ چلے ورنہ نہیں۔

(لہوف ص ۳۳)

۱۰۔ امام حسینؑ اور ابن سعد

ابن سعد! کیا تو مجھ سے جنگ کرنا چاہتا ہے؟ کیا تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں کس کا فرزند ہوں۔ اب بھی انھیں چھوڑ کر میرے ساتھ آجا تو اس میں قربتِ الٰہی ہے۔

اگر مکان کے گرا دیے جانے کا خوف ہے تو میں حجاز میں بہترین مکان دے دوں گا۔

خدا جانے تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تجھے تیرے بستر پر ذبح کرے اور روزِ قیامت معاف نہ کرے۔ خدا کی قسم تو عراق کے دانۂ گندم سے بہرہ یاب نہ ہو سکے گا۔

(مقتل الخوارزمی ص ۲۲۵)

۱۱۔ شبِ عاشور

میں خدا کی حمد و ثنا اور ہر سختی و آرام پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں نبوّت کے ذریعہ محترم بنایا، قرآن کا علم دیا، دین کا فہم دیا، ہمارے لیے چشم و گوش و دل قرار دیے اور ہمیں مشرکین میں سے نہیں بنایا۔

اما بعد! میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اصحاب اور اپنے اہلبیتؑ سے زیادہ نیک کردار اہلبیتؑ نہیں جانتا ہوں۔ میرے جد نے خبر دی ہے کہ میں عراق میں زمین کربلا پر اُتارا جاؤں گا اور وہیں میری شہادت ہو گی اور اب اس کا ہنگام آچکا ہے۔ کل میری شہادت ہو گی۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ رات کا پردہ حائل ہے۔ ہر شخص میرے گھر والوں میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لے اور جہاں چاہے چلا جائے۔ قوم میرے خون کی طالب ہے، مجھے پا کر تمھاری جستجو نہ کرے گی۔

(ارشاد مفید۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۹)

۱۲۔ روزِ عاشور

ایہا الناس! میری بات سنو اور جلد بازی نہ کرو کہ میں اپنے حق کو ادا کروں اور اپنا عذر بیان کروں۔ اس کے بعد تم قبول کر لو اور تصدیق کر دو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو تمھاری نیک بختی ہے ورنہ پھر فیصلہ خداوندی کے لیے تیار ہو جاؤ کہ وہی میرا مالک اور سرپرست ہے۔

ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے دنیا کو پیدا کر کے اسے محلِّ فنا و زوال بنایا ہے جہاں ہر آن ایک نہ ایک تغیّر ہوتا رہتا ہے۔ فریب خوردہ وہ ہے جسے دنیا دھوکہ دیدے، اور شقی و بدبخت وہ ہے جو اس فتنہ کا شکار ہو جائے۔ خبردار! تمھیں یہ دنیا دھوکہ نہ دیدے۔ یہ ہر امیدوار کی امید منقطع کر دیتی ہے اور ہر لالچی کو مایوس کر دیتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے اس امر پر اجتماع کیا ہے جس میں غضب پروردگار اور اس کی ناراضگی ہے۔ یہ امر باعث عذاب اور سبب دوریٔ رحمت ہے۔ وہ بہترین رب ہے اور تم بدترین بندے۔ تم نے اطاعت کا اقرار کیا، نبیؐ پر ایمان لائے اور پھر ان کی ذریت پر ہجوم کر کے انھیں قتل کرنا چاہتے ہو۔ شیطان تم پر غالب آگیا ہے اور تمھیں یادِ خدا سے غافل بنا دیا ہے۔ خدا تمھارا بُرا کرے کیا بُرا ارادہ تمھارا ہے۔ انا للّٰہ ـــــ یہی وہ قوم ہے جو ایمان کے بعد کافر ہو گئی ہے اور ظالمین کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

ایہا الناس! ذرا مجھے پہچانو میں کون ہوں۔ پھر فیصلہ کرو کہ کیا میرا قتل تمھارے لیے جائز ہے۔ کیا میں تمھارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور ابنِ عم اول المومنین والمصدقین کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا حضرت حمزہؑ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں؟ کیا حضرت جعفر طیارؑ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا پیغمبرؐ کے اس ارشاد کی خبر نہیں ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں؟۔

اگر میری باتیں صحیح ہیں اور تم تصدیق کرتے ہو جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ میرا قول حق ہے، اس لیے کہ میں نے کبھی کلمۂ باطل سے زبان کو آشنا نہیں کیا کہ اس میں خدا کی ناراضگی اور بندہ کا نقصان ہوتا ہے ـــ تو یہ سب کیا ہے؟ ـــ اور اگر میری تکذیب کرتے ہو، تو ابھی

جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم، انس بن مالک جیسے اصحاب زندہ ہیں ان سے دریافت کرلو، یہ بتائیں گے کہ یہ ارشادِ رسولؐ ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ ساری باتیں تمھیں میرے قتل سے باز نہیں رکھ سکتیں ؟ —

اگر تمھیں میری باتوں میں شک ہو تو کیا اس بات میں شک ہے کہ میں نبی کا نواسہ ہوں؟ تو بتاؤ مشرق و مغرب کے درمیان میرے علاوہ کون رسولؐ کا نواسہ ہے ؟ کیا مجھ سے کسی قتل کا بدلہ لے رہے ہو یا میں نے تمھارا کوئی مال تباہ کر دیا ہے یا کسی زخم کا قصاص لے رہے ہو ۔۔۔۔۔ ؟۔ (طبری ٦ ص ٢٤٣)

۱۳۔ خطبۂ دوم۔ بروز عاشور

اے جماعت ضلالت ! تمھارے لیے ہلاکت و بربادی ہے کہ تم نے ہم سے فریاد کی اور ہم تمھاری فریاد کو پہونچے تو تم نے وہ تلوار ہمارے خلاف کھینچ لی جو ہمارے دشمنوں پر کھینچنا چاہیے تھی اور وہ آگ ہمارے خلاف بھڑکا دی جو ہم تمھارے دشمنوں کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ تم نے دشمنوں کا ساتھ دیا اور حق و انصاف کا خیال نہیں کیا، تمھیں ان سے کیا ملنے والا ہے ؟۔۔۔۔۔ تم سر براہوں کے غلام، کتاب کے نظر انداز کرنے والے، کلمات میں تحریف کرنے والے اور گناہگار جماعت کے ارکان ہو۔ شیطان تمھارے اوپر غالب ہے۔ تم نے سیرتوں کو فراموش کر دیا ہے، دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہو، اور ہم سے الگ ہو رہے ہو۔ یہ تمھارا پرانا طریقہ ہے اسی پر تمھاری بنیادیں قائم ہیں۔ تم بدترین ثمر ہو۔

یہ ناتحقیق ابن ناتحقیق۔ اس نے مجھے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے کہ یا تلوار نکال لوں یا ذلت برداشت کروں۔ ظاہر ہے کہ میں ذلت گوارہ نہیں کر سکتا۔ یہ میرے خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف اور میری پرورش کی پاکیزہ آغوش اور میرے بزرگوں کے طیب و طاہر نفوس کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ میں کمینوں کی اطاعت کو شریفوں کی طرح شہادت پر مقدم کروں یہ ناممکن ہے۔ میں اپنے مختصر ساتھیوں کو لے کر راہِ خدا میں آگے بڑھ رہا ہوں۔۔۔۔ (لہوف ص ٥٦)

۱۴۔ آخری دُعا

اے خدا ! اے بلند مکان، عظیم الجبروت، شدید القویٰ، مخلوقات سے بے نیاز، کبریائی کے مالک، ہر شے پر قادر، رحمتوں کے اعتبار سے قریب، وعدوں کے صادق، نعمتوں کے کامل کرنے والے، بہترین امتحان لینے والے، تجھے بلایا جاتا ہے تو تو قریب ہے، مخلوقات پر محیط ہے، توبہ کا قبول کرنے والا ہے، ارادوں پر قادر ہے، جو چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے، شکر گذاروں کا شکریہ قبول کرتا ہے، یاد کرنے والوں کو یاد رکھتا ہے۔ میں احتیاج کے ساتھ تجھے پکار رہا ہوں اور فقر و فاقہ کے ساتھ تیری بارگاہ کی طرف آرہا ہوں، میں رنجیدہ و پریشان حال ہوں اور تجھ سے مدد مانگ رہا ہوں۔ تجھے کافی سمجھ کر تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں۔

پروردگار ! میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما۔ انھوں نے مجھے دھوکہ دیا، نظر انداز کر دیا، قتل کیا، ہم تیرے رسولؐ کی عترت و ذرّیت ہیں جنھیں تو نے رسالت کے لیے اور وحی کے لیے امین بنایا ہے۔ ہمیں کشائش احوال عطا فرما، تو ارحم الراحمین ہے۔ میں تیرے فیصلہ پر صابر ہوں۔ تیرے علاوہ کوئی خدا اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہی سب کا فریاد رس ہے۔ میں تیرے حکم پر صبر کر رہا ہوں۔ اے بے سہاروں کے سہارے، ہمیشہ رہنے والے۔۔۔۔ میرے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ فرما کہ تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (ریاض المصائب۔ مصباح کفعمی اقبال)

شہدائے کربلا

۱۔ اولادِ ابوطالبؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام۔ حضرت علی اکبرؑ۔ حضرت علی اصغرؑ۔ حضرت عباسؑ۔ حضرت عبداللہ بن علیؑ۔ حضرت عثمان بن علیؑ۔ حضرت جعفر بن علیؑ۔ حضرت ابوبکر بن علیؑ۔ حضرت ابوبکر بن حسن بن علیؑ۔ حضرت قاسم بن حسنؑ۔ حضرت عبداللہ بن حسنؑ۔ حضرت عون و محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ۔ حضرت محمد بن مسلمؑ۔ حضرت محمد بن سعید بن عقیلؑ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیلؑ۔ حضرت جعفر بن عقیل۔

۲۔ شہدائِ بنی اسد

انس بن حرث اسدی۔ حبیب بن مظاہر اسدی۔ مسلم بن عوسجہ اسدی۔ قیس بن مسہر اسدی۔

۳۔ شہدائِ آلِ ہمدان

ابوثمامہ عمرو بن عبداللہ۔ بُریر ہمدانی۔ عابس شاکری۔ حنظلہ بن اسعد۔ عبدالرحمٰن رحبی۔ سیف بن حرث۔ عمرو بن عبداللہ ہمدانی۔

۴۔ مذحجی شہداء

جنادہ بن حرث۔ مجمع بن عبداللہ۔ نافع بن ہلال۔ حجاج بن مسروق۔

۵۔ انصاری شہداء

عمرو بن قرظہ۔ عبدالرحمٰن بن عبدرب۔ جنادہ بن کعب۔ عمرو بن جنادہ نُعیم بن عجلان۔ سعد بن حرث۔

۶۔ بجلیؔ اور خشعمی شہداء

زہیر بن قین۔ سلمان بن مضارب۔ سدید بن عمر۔ عبداللہ بن بشیر۔

۷۔ کندی اور غفاری شہداء

یزید بن زیاد کندی، حرب بن امرؤالقیس۔ زاہر بن عمرو۔ بشر بن عمرو۔ عبداللہ بن عروہ غفاری۔ جون غلام ابوذر غفاری۔

۸۔ کلبی شہداء

عبداللہ بن عمیر۔ عبدالاعلیٰ بن یزید۔ سالم بن عمرو۔

۹۔ اَزدی شہداء

قاسم بن حبیب۔ زہیر بن سلیم۔ نعمان بن عمرو۔

۱۰۔ عبدی شہداء

یزید بن ثبیط۔ عامر بن مسلم۔ سیف بن مالک۔

۱۱۔ تیمی و طائی شہداء

جابر بن حجاج۔ مسعود بن حجاج۔ عبدالرحمٰن بن مسعود۔ بکر بن حیّ۔ عمّار بن حسّان طائی۔

۱۲۔ تغلبی شہداء

ضرغامہ بن مالک۔ کنانہ بن عتیق۔

۱۳۔ جہنی و تمیمی شہداء

عقبہ بن صلت۔ حر بن یزید تمیمی۔ عقبہ بن صلت۔

۱۴۔ متفرق شہداء

جبلہ بن علی شیبانی۔ قعنب بن عمر۔ عبداللہ بن یقطر۔

انقلابِ کربلا

دورِ حاضر میں عام طور سے انقلاب کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک ہی نظام کے ماننے والوں میں ایک نااہل کو کرسی سے اُتار کر دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھا دیا جائے۔

اور اس سے بڑا انقلاب یہ ہوا ہے کہ نظام میں بھی جزوی تبدیلی کر دی جائے اور پارٹی کے منشور کے مطابق ملک کا نیا نظامِ حکومت مرتب کر لیا جائے۔

تیسری قسم انقلاب کی یہ ہو سکتی ہے کہ نظام کی بنیادی شکل کو مختلف کہا جائے اور درحقیقت ایک ہی قسم کے انسانوں کو مختلف ناموں سے تختِ حکومت پر بٹھایا جائے۔ پہلے اسی قسم کا انسان شہنشاہ کے نام سے تخت نشین ہو، اور پھر بدلے ہوئے حالات میں ویسا ہی انسان یا وہی انسان صدرِ جمہوریہ کے نام سے تخت نشین ہو جائے اور اس کا نام "بنیادی انقلاب" رکھ دیا جائے۔

چوتھی قسم انقلاب کی یہ ہوتی ہے کہ سرحدوں کے محافظ حدودِ مملکت کے اندر داخل ہو جائیں اور بزورِ طاقت قدیم نظام کے نفاذ کا عمل تیز تر کر دیں جس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہو کہ گزشتہ حکومت اسے نافذ کرنے میں ناکام رہی ہے اور اسی کی وجہ سے ملک میں بدامنی پھیل گئی ہے جسے فوجی انقلاب کہا جاتا ہے۔ اس انقلاب میں نظامِ حکومت اور دستور میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوتی ہے صرف نفاذ کے عمل کو تیز تر بنایا جاتا ہے اور اپنی مقبولیت میں اضافہ کے لیے چند خوشگوار تبدیلیوں کا نام لے لیا جاتا ہے ورنہ ملکی دستور بعینہ وہی دستور ہوتا ہے جس کا نفاذ ضروری تھا اور گویا کہ سابق حکومت کے زیرِ اثر نہیں ہو سکا ہے۔

پانچویں قسم ایک مخلوط انقلاب کی ہے جو بیک وقت سیاسی بھی ہوتا ہے اور فوجی بھی۔ یعنی فوجی حکمراں اپنے انقلاب کو عوامی ظاہر کرنے کے لیے ایک فرضی الکشن کرا دیتا ہے اور پھر اسی فوجی انقلاب کو عوامی اور سیاسی انقلاب کا نام دے دیا جاتا ہے۔

ان تمام اقسام میں جو بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سارے رہنما ایک ہی جیسے ہوتے ہیں اور انھیں عوامی تائید حاصل ہو یا نہ ہو، خدائی تائید بہرحال حاصل نہیں ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کے انقلاب میں کم و بیش وہ ساری کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو سابق نظام میں رائج تھیں۔

دورِ حاضر میں بعض مقامات پر انقلاب کی ایک جدید ترین شکل نکل آئی ہے جسے بظاہر مذہبی انقلاب کہا جاتا ہے لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک نیم سیاسی انقلاب ہوتا ہے جیسے کہ دورِ حاضر کی اکثر اسلامی تحریکات میں دیکھا جاتا ہے کہ نام اسلامی انقلاب کا لیا جاتا ہے اور اعتماد مشرق یا مغرب پر کیا جاتا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے ــــ یا موجودہ حاکم وقت ہی سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کو رائج کرے اور تحریک میں یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ جس حاکم نے آج تک اسلام رائج نہیں کیا اور اسلام سے بیگانہ ہو کر اپنا اقتدار جمائے رکھا ہے، جس نے اسلام کے نصاب کی چار کتابیں بھی نہیں پڑھی ہیں۔ اس کا اقتدار تسلیم شدہ ہے صرف اس کا نظام تسلیم نہیں ہے اور یہ نتیجہ اس ذہنی غلامی یا ضمیر فروشی کا ہوتا ہے جو انقلابی افراد کو وراثت میں ملی ہے ورنہ اسلامی انقلاب کے معنی تو یہ ہیں کہ سب سے پہلے نااہل حکمراں کو معزول کیا جائے جس نے اب تک اسلام سے قطع نظر کر کے حکومت کی ہے اور ملکِ خدا کو غیرِ خدا کے راستہ پر چلایا ہے اور اب حالات کی مجبوری کے تحت اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے حکمراں کے اقتدار کا باقی رکھنا اور اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنا ایک سیاسی مکاری ہے جسے اسلامی انقلاب کا نام دیا جا رہا ہے ورنہ اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اپنے دور کے حاکمِ وقت سے یہی بات کہی تھی جب اس نے اپنی شرافت و عدالت کا مظاہرہ کرنے کے لیے حضرتؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ میں تمام صاحبانِ حقوق کے حقوق واپس کرنا چاہتا ہوں آپ بھی فدک کے حدود کا تعین کر دیں تاکہ میں اسے آپ کے حوالہ کر دوں اور اس طرح آپ کے حق سے بھی سبکدوش ہو جاؤں، تو آپ نے اس دور کے پورے خطۂ اسلام کا رقبہ شمار کرا دیا تھا کہ مشرق و مغرب

اور شمال و جنوب میں درحقیقت فدک ایک پورے عالم اسلام کا نام ہے اور حاکم وقت حیرت زدہ رہ گیا تھا کہ میں نے تو اتنی بڑی جاگیر کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا میں تو ایک باغ یا ایک جاگیر کے تصور میں تھا جس کے دے دینے کے بعد اپنے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا تھا۔ لیکن یہ تو پورے عالم اسلام کا رقبہ شمار کرا رہے ہیں جس کے بعد اپنی حکومت کا کوئی تصور ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ یہی واضح کرنا چاہتے تھے کہ ظالم کے تحت حکومت پر رہتے ہوئے مظلوم کے حقوق کی ادائیگی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے حقوق میں تو خود مملکت اسلامیہ بھی شامل ہے جسے بحقِ وراثتِ پیغمبرؐ اور نص آیاتِ قرآنیہ ہمیں ملنا چاہیے تھا اور اس مملکت پر قبضہ باقی رکھنے کے بعد ہمارے حقوق کی بحالی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

یہ درحقیقت اسی نکتہ کی وضاحت تھی کہ ظالمین کے اقتدار کو بحال رکھتے ہوئے اسلامی انقلاب کا تصور ایک جاہلانہ تصوّر ہے جس کے واقعی کوئی معنی نہیں ہیں۔

آثارِ انقلاب

انقلاب کے جملہ اقسام اپنے آثار کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اقسام میں صرف جزوی عملدرآمد ہوتا ہے اور اصل نظام معطل ہی رہتا ہے۔ بعض اقسام میں عملدرآمد کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے لیکن نظام کے اثرات بدستور باقی رہتے ہیں ــــ بعض اقسام میں، عوام میں محترم شخصیت یا احترام کی نوعیت میں فرق آجاتا ہے۔ لیکن سماج کی حالت پہ کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور بعض اقسام میں صرف دہشت کا اضافہ ہو جاتا ہے اور باقی حالات بدستور رہتے ہیں۔

اسلام ایسے کسی انقلاب کا حامی نہیں ہے۔ وہ الٰہی قانون کے تحت سماج کے جملہ شعبوں میں انقلاب چاہتا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ میں کسی سرزمین پر قدم رکھوں تو وہاں کے عقائد و افکار بدلیں، تہذیب و تمدن میں تبدیلی پیدا ہو، اقدارِ حیات متغیر ہوں، طریقۂ زندگانی میں فرق آجائے، حکومت بدلے، حاکم بدلے، رعایا کا اندازِ حیات بدلے، اور قدیم دنیا ایک دوسری

دنیا نظر آنے لگے۔ جس طرح کہ سرکار دو عالمؐ کا اسلامی انقلاب تھا کہ آپ نے پتھروں کے پجاریوں کو ذہنی طور پر اتنا بلند کر دیا تھا کہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں رہ گیا تھا۔ سیکڑوں خداؤں میں بٹی ہوئی قوم کو ایک توحید کے پرچم تلے جمع کر دیا تھا، متکبّرین کو نمازی بنا دیا تھا، لیٹروں کو زکوٰۃ و خمس کا پابند بنا دیا تھا، بے تحاشہ کھانے والوں کو روزہ کا خوگر بنا دیا تھا، غارت گری کرنے والوں کو مجاہد بنا دیا تھا اور مجاہد بنا کر میدانِ جہاد میں غنیمت کے خمس کا عادی بنا دیا تھا۔ سود خواروں کو ایثار گر بنا دیا، جواریوں کو عبادت گذار بنا دیا، شرابیوں کو پارسا بنا دیا، بدکاروں کو پاکیزہ نگاہ بنا دیا ــــ اور اس طرح حیوانوں کو انسان، انسانوں کو مسلمان اور مسلمانوں کو صاحبِ ایمان بنا دیا۔

درحقیقت ایسا ہی انقلاب، انقلاب کہے جانے کے قابل ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایسا انقلاب کسی مریض ذہن کے لیے کبھی قابلِ قبول نہیں ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشرک، بت پرست، شرابی، جواری، سود خوار، حرام خور، بدکار سب متحد ہو گئے اور مکہ کی گلیوں میں ایک قسم کی "سرد جنگِ احزاب" شروع ہو گئی۔ سرکار دو عالمؐ نے اپنے قوانین کے استحکام، اپنے قدم کے ثبات اور اپنے پروردگار کی امداد کا سہارا لے کر پورے طوفان کا مقابلہ کیا، اور بالآخر ایک بڑی جماعت کو مسلمان بنا لیا۔ اس راہ میں کانٹے ملے، کوڑا ملا، گالیاں ملیں، دھمکیاں ملیں، قتل کی سازش ملی، پروپیگنڈہ ملا، اتہامات و الزامات ملے، غریب الوطنی ملی، لیکن سب کے آخر میں کامیابی ملی اور ایک دن وہ بھی آیا جب مکہ سے بے وطن کر دیا جانے والا پیغمبرؐ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا کہ ابوسفیان تک مسلمان ہو گیا اور یہ اندازِ فتح پروردگار کی طرف سے ہر انقلابی انسان، انقلابی تحریک اور انقلابی جماعت کے لیے ایک نظیر بن گیا کہ اسلامی انقلاب کی راہ میں حلوے پراٹھے کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ اس راہ میں گالیاں ہیں، الزامات ہیں، دھمکیاں ہیں، پروپیگنڈے ہیں، گروہ بندی ہے، زبان کے خنجر اور قلم کے نیزے ہیں، غریب الوطنی ہے لیکن استقامت برقرار ہے تو کامیابی بھی ہے، کامرانی بھی ہے، فلاح بھی ہے، نجات بھی ہے اور فتح مبین بھی ہے۔ استقامت کے بعد وہ دن بھی آسکتا ہے جب ابوسفیان کلمہ پڑھنے لگے اور کفر بھی اسلام کی پناہ ڈھونڈنے لگے۔

اسلامی انقلاب ایک ہمہ گیر انقلاب تھا۔ تہذیب و تمدن کا انقلاب، عقائد و افکار کا انقلاب، مفاہیم و اقدار کا انقلاب، زندگی اور بندگی کا انقلاب ــــ اور پھر ہر شعبۂ حیات میں انقلاب ہی انقلاب۔

ظاہر ہے کہ یہ انقلاب جن لوگوں سے برداشت نہ ہو سکا اور اس کی روز افزوں ترقی جن کی نگاہوں میں نہ سما سکی، انھوں نے اس کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کی ہر طرح کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔

دشمن کے اقدامات ہمیشہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ابتدا میں وہ زور آزمائی کرتا ہے اور جب ناکام ہو جاتا ہے تو ساتھ مل کر نظام کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بدر و احد اور فتح مکہ کے بعد ابو سفیان کا اسلام اسی تدریجی ردعمل کا اظہار تھا کہ اب مل کر اسلام کو تباہ کرنا ہے۔

چنانچہ اس نے پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد پہلے مولائے کائنات کی امداد کا راستہ اختیار کیا اور جب آپ نے صریحی طور پر اس امداد کو ٹھکرا دیا اور فرما دیا کہ میں بقاء اسلام کی خاطر منحرف حکومت کو برداشت کر سکتا ہوں کفر کی امداد کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس طرح کفر کو دوبارہ اسلامی دنیا میں کام کرنے کا موقع مل جائے گا ـــــ تو آپ کے انکار کے بعد تختِ اقتدار کا رُخ کیا کہ اس سے اظہارِ خلوص کر کے اسلامی اقدار کی تباہی کا عمل شروع کیا جائے چنانچہ چار دن کے اندر اتنا نمایاں فرق ہو گیا کہ نفسِ پیغمبرؐ کی حمایت کا اعلان کرنے والا حزبِ اختلاف سے اتنا قریب تر ہو گیا کہ اپنے چشم و چراغ خاندان کو اسلام کا حکمراں بنانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر براہ راست اپنے فرزند کو بھی ایک حصہ مملکت کا حاکم بنوا دیا جس کے بعد وہ اس کے مقابلہ میں صف آرا ہو گیا، جس کی حمایت کے لیے کل باپ نے ہر قربانی دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اُس وقت اسلام ایک انتہائی خطرناک موڑ پر آگیا اور داخلی ریشہ دوانیوں کی بنا پر وہ سارے اقدار اچانک تبدیل ہو گئے جو سرکار دو عالمؐ کی ۲۳ سالہ ریاضت و محنت سے قائم ہوئے تھے۔ جہاں مملکت میں ایک ایک قطرۂ شراب کا فقدان تھا وہاں تختِ خلافت

پر شراب آگئی۔ جہاں نامحرم پر نگاہ کرنا جرم تھا وہاں سوتیلی ماؤں سے زنا کا رواج ہو گیا۔ جہاں علم معیارِ فضیلت تھا وہاں علماء کی توہین شعار بن گئی۔ اسلامی دربار میں رسالت کو بنی ہاشم کا کھیل اور اسلام کو بے بنیاد نظریہ قرار دیا جانے لگا اور اس طرح نااہل باپ کے نالائق بیٹے نے باپ کی کمی کو پوری کر دیا اور پورا معاشرہ یکسر تبدیل ہو گیا اب صورت حال یہ ہے کہ برائیاں ہیں اور ٹوکنے کی ہمت نہیں ہے۔ منکرات ہیں اور نہی نہیں ہے۔ فواحش ہیں اور روکنے والا نہیں ہے۔ صاحبانِ علم مہر بلب ہیں اور اپنی حیثیت کے تحفظ میں لگے ہوئے ہیں۔ درباری علماء نہی عن المنکر کے خلاف فتوے صادر کر رہے ہیں اور اسلام فنا کے راستے پر لے جایا جا رہا ہے۔

ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ کوئی ایک مرد مجاہد اٹھے اور پائے ہوس سے طاقت رفتار کھینچ لے، میدان میں نیام سے تلوار کھینچ لے۔"

چنانچہ فرزند رسول الثقلین امام حسینؑ اٹھے اور آپ نے ہر مصیبت کو برداشت کرنے کا عزم کر کے اس سیلاب کے سامنے بندھ باندھ دیا۔ آپ نے اپنا بھرا گھر قربان کر دیا لیکن دوبارہ ایسا اسلامی انقلاب برپا کر دیا کہ پورے عالم اسلام میں یزیدیت کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے اور چند دنوں میں یہ صورت حال پیدا ہو گئی کہ جس گھرانے میں فقط وراثت پر حکومت کی جاتی تھی وہیں یزید کا بیٹا باپ کے تخت پر بیٹھنے سے انکار کرنے لگا۔

امام حسینؑ کے اس انقلاب میں خواتین کربلا اور بالخصوص ثانی زہراؑ کا بھی ایک عظیم حصہ تھا کہ جس یزید کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں میں سانس لینے کی طاقت نہیں تھی اسی کے دربار میں وہ عظیم الشان خطبہ پڑھا کہ دربار ہل گیا اور عوام میں از سر نو حاکم ظالم کے خلاف آواز اٹھانے کا تصور پیدا ہو گیا۔

کربلا کا واقعہ تمام ہو گیا۔ اہلِ حرم نے کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کو فتح کر لیا۔ لیکن جس عیسائیت اور بت پرستی نے یزید کو اپنا مشترک نمائندہ بنایا تھا وہ پسپا ہو کر دوبارہ باطنی انتقام پر آمادہ ہو گئی اور ہر دور میں اسلامی اقدار کی تباہی کا کام شروع ہو گیا۔ ائمہ معصومینؑ نے اپنی موجودگی کے دور میں اس ریشہ دوانی کا مکمل مقابلہ کیا اور ہر دور میں باطل کو بے نقاب کرتے رہے اور ایک اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

لیکن غیبت کا زمانہ باطل طاقتوں کو گویا زور آزمائی کا بہترین زمانہ مل گیا اور ہر طرف سے اسلام کی بربادی کا عمل شروع ہوگیا۔ کافر، مشرک، یہودی، عیسائی سب متحد ہوگئے اور سب کا ایک ہی منشا تھا کہ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور یہ ممکن نہ ہو تو اس کے تعلیمات کو بے روح، بے جان اور بے اثر بنا دیا جائے جیسا کہ دورِ یزید میں ہوا تھا کہ اسلام کو تماشہ بھی کہا جا رہا تھا اور نمازیں بھی ہو رہی تھیں۔ گویا باطل طاقتیں چاہتی تھیں کہ دونوں تجربات ایک ساتھ ہوتے رہیں کہ اگر امت کا احساس بالکل مردہ ہوگیا ہے تو اسلام ہی تماشہ بن جائے گا اور اگر امت میں کوئی صاحب ضمیر زندہ ہے تو کم سے کم احکام بے روح اور بے جان ہوجائیں گے۔

ہمارے ملکوں میں عیسائیت نے مدتہائے دراز تک اپنی حکومت میں یہی کام کیا ہے اور اسلام کو فنا نہیں کرسکی تو بے جان ضرور بنا دیا ہے اور سارے اقدار کو یکسر تبدیل کردیا ہے۔ (یزید بھی عیسائی ماں کا بیٹا اور عیسائی ماحول کا پروردہ تھا اور عیسائیت اس ریشہ دوانی میں مہارت رکھتی ہے)۔ — نتیجہ یہ ہے کہ مسجدیں آباد ہیں لیکن دل ویران ہیں۔ نمازیں ہیں لیکن برائیوں سے روکنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پاکیزہ کردار افراد سے محبت کا نام ہے لیکن اپنے کردار میں پاکیزگی نہیں ہے۔ تقریروں کا ہنگامہ ہے لیکن اثر کا فقدان ہے۔ مذہب کا چرچا ہے لیکن احکام سے ناواقفیت عام ہے اور حد یہ ہے کہ امام و رسولؐ پر قربان ہیں لیکن ان کے احکام سے بے خبر ہیں۔ علماء کی جوتیاں اٹھاتے ہیں لیکن ان کے احکام کا بوجھ نہیں اٹھاتے۔ سرکار کے خادم ہیں لیکن سرکار کے دین کے خادم نہیں ہیں۔ علم کو معیارِ فضیلت مانتے ہیں لیکن جاہلوں کا اتباع کرتے ہیں۔ غرضکہ زندگی کا ہر عمل بے جان ہوکر رہ گیا ہے اور بندگی اپنے اثرات سے عاری ہوگئی ہے اور جنھیں بیدار کرنا چاہیے تھا وہ خود بھی سو رہے ہیں، بلکہ خوابِ غفلت کے فضائل بیان کررہے ہیں تاکہ سونے والا مزید سو جائے اور شاید انھیں یہ خطرہ بھی ہے کہ معاشرہ بیدار ہوگیا تو نقب زنی کے مواقع ہاتھ سے نکل جائیں گے اور مالِ مفت کے ذریعہ ایک رات میں لکھ پتی بننے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

پروردگار امتِ اسلامیہ کو بیداری کی توفیق عنایت فرمائے اور رہبرانِ قوم کو بیدار کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

نقشِ حیاتؑ

۱۔ اسم گرامی — حسینؑ (یہ نام خود پروردگار کا رکھا ہوا ہے)۔ ارجح المطالب
۲۔ کنیت — ابو عبداللہ
۳۔ القاب — سیّد، سبطِ اصغر، سید الشہداء، وغیرہ
۴۔ والد محترم — حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام
۵۔ والدہ گرامی — حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام
۶۔ ولادت — ۳ شعبان سنہ ۴ھ
۷۔ شہادت — ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ
۸۔ مقامِ ولادت — مدینہ منورہ
۹۔ مدفن — کربلائے معلیٰ
۱۰۔ ازواج — جناب شہربانوؑ، جناب ام لیلیٰؑ، جناب ربابؑ
۱۱۔ اولاد — امام زین العابدینؑ، علی اکبرؑ، علی اصغرؑ، سکینہؑ، فاطمہؑ (بربنائے مشہور)

امام حسینؑ۔ وسیلۂ عمل بالقرآن

۱۔ حکمِ عبادت پر آخری سانس تک عملی درس دیتے رہے۔
۲۔ حکمِ تقویٰ پر عمل کے لیے سراپا تقویٰ بنے رہے۔
۳۔ حکمِ انفاق پر عمل کے لیے بھرا گھر دے دیا۔
۴۔ حکمِ جہاد پر ہر نوع اور ہر انداز جہاد کا طریقہ تعلیم فرمایا۔
۵۔ حکمِ تَزَوَّدُوْا پر تقویٰ کو ہر سفر کے لیے زادِ راہ بنا دیا۔

۶۔ حکمِ اَقْرِضُوا پر سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا۔

۷۔ حکمِ استجابت پر تاحیات حکمِ خدا و رسولؐ پر لبیک کہنے کا ذریعہ بنے رہے۔

۸۔ حکمِ تقدیم پر سب کچھ راہِ خدا میں پیش کر دیا۔

۹۔ حکمِ سَارِعُوا پر سب کے لیے سببِ مغفرت بن گئے۔

۱۰۔ حکمِ دعا پر وسیلۂ استجابت دعا بن گئے۔

۱۱۔ حکمِ نصرتِ خدا پر راہ نصرت پروردگار قرار پائے۔

۱۲۔ حکمِ اجابت داعی خدا پر مستقل داعی الی اللہ بن گئے۔

۱۳۔ حکمِ جستجوئے وسیلہ پر ساری امت کے لیے وسیلۂ نجات بن گئے۔

۱۴۔ حکمِ اختیار سبیل اللہ پر بہترین سُبل و اقرب طرق بن گئے۔

امام حسینؑ اور قرآن

۱۔ تاریخ زندگانی

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی وصیت کی کہ اس کی ماں نے زمانۂ حمل اور وقت ولادت بڑے رنج کا سامنا کیا ہے اور اس انسان کے حمل اور دودھ پینے کا زمانہ کل ملا کر تیس ۳۰ مہینے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ انسان توانا و تندرست اور ۴۰ سال کا ہوگیا تو اس نے ہماری بارگاہ میں دعا کی کہ بار الہا مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر نازل کی ہیں اور میں ایسا عمل صالح کروں کہ تو راضی ہوجائے اور میری اولاد کو صالح قرار دے کہ میں تیری ہی طرف متوجہ ہوں اور تیرا ہی اطاعت گذار بندہ ہوں ـــــــــ (احقاف ۱۵)

۲۔ سکوت تا مرگ حاکمِ شام

ایمان والو! اپنے عہد کو وفا کرو ـــــــــ (مائدہ)

۳۔ خبر مرگ حاکمِ شام

صابرین کی شان یہ ہے کہ مصائب میں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں

پلٹ کر جانے والے ہیں ـــــــــ (بقرہ)

۴۔ دربارِ ولید

اگر وہ لوگ صلح پر آمادہ ہوجائیں تو تم بھی تیار ہوجاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو ـــــ (انفال)

۵۔ مطالبۂ بیعت

خبردار ظالموں کی طرف میلان نہ پیدا ہونے پائے کہ تم جہنم کے حقدار ہوجاؤ ـــــــ (ہود)

۶۔ ترکِ وطن

جو شخص اپنے گھر سے راہِ خدا میں ہجرت کرتا ہے وہ مر بھی جاتا ہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوتا ہے (نساء)

۷۔ قصد مکہ

جو خانۂ کعبہ میں داخل ہوجائے وہ محفوظ ہوجاتا ہے ـــــ (آل عمران)

۸۔ ارسال مسلمؑ ابن عقیلؑ

اگر وہ لوگ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو ـــ انفال

۹۔ خروج از مکہ

جو شخص بھی شعائر الٰہیہ کی تعظیم کرے گا وہ اس کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگا ـــــــ (حج)

۱۰۔ قصد عراق

اے پیغمبرؐ! کہہ دیجیے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو گے تو وہ لوگ بہرحال نکلیں گے جن کا مقدر شہادت ہے ـــــــــ (آل عمران)

۱۱۔ امتحان

اللہ تمہارا ایک نہر کے ذریعہ امتحان لے گا جو اس سے پانی نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہوگا ـــــــ (بقرہ)

۱۲۔ جہاد

جن لوگوں سے زبردستی جنگ کی جاتی ہے انھیں اللہ کی طرف سے جہاد کی اجازت دی گئی ہے ـــــــ (حج)

۱۳۔ ختم جہاد

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں ـــــ (فجر)

۱۴۔ شہادت

خبردار! راہِ خدا کے شہیدوں کو مُردہ خیال بھی نہ کرنا۔ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں رزق پارہے ہیں ـــــــ (آل عمران)

امام حسینؑ اور ارشادات رسول اکرمؐ

۱۔ پروردگارا! میں حسینؑ کو دوست رکھتا ہوں تو اسے اور اس کے دوستوں کو دوست رکھنا ـــــــ (مسند احمد بن حنبل)

۲۔ میں اہلبیتؑ سے جنگ کرنے والے کے لیے سراپا جنگ اور صلح کرنے والے کے لیے سراپا صلح ہوں ـــــــ (مسند احمد)

۳۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ پروردگار حسینؑ کے دوست کو دوست رکھتا ہے ـــــــ (مسند احمد)

۴۔ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں ـــــــ (مسند احمد)

۵۔ جو سردار جوانانِ جنت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ حسینؑ کی طرف نظر کرے ـــــــ (مسند احمد)

۶۔ حسنؑ و حسینؑ دنیا میں میرے دو پھول ہیں ـــــــ مسند احمد

۷۔ میرے تمام گھرانے میں سب سے زیادہ محبوب حسنؑ و حسینؑ ہیں ـــــــ (ترمذی)

۸۔ میں نے حسنؑ و حسینؑ کے نام اس لیے رکھے ہیں کہ یہ جنتی نام ہیں ـــــــ (ایضاح بغوی)

۹۔ جو حسنؑ و حسینؑ کو دوست رکھے گا وہ میرا دوست اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا دشمن ہے (ابو سعد)

۱۰۔ مجھے حسینؑ کے رونے سے تکلیف ہوتی ہے ـــــــ (ابن منیع)

۱۱۔ جو حسنؑ و حسینؑ، ان کے باپ اور ان کی مادر گرامی سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا ـــــــ (مسند احمد)

۱۲۔ حسینؑ! تم سید ابن سید، برادر سید، امام، ابن امام، برادر امام، حجت ابن حجت اور برادر حجت ہو ـــــــ (مودۃ القربیٰ)

۱۳۔ حسینؑ میرا پارۂ جگر ہے۔ جو اسے اور اس کی اولاد کو دوست رکھے اس کے لیے طوبیٰ ہے اور اس کے قاتل کے لیے جہنم ـــــــ (مودۃ القربیٰ)

۱۴۔ میرا حسینؑ سرزمین طف پر شہید ہوگا اور یہ امت میرے بعد فتنہ میں مبتلا ہوجائے گی (جمع الفوائد)

اندازِ غم حسینؑ

۱۔ دل کا رنجیدہ ہونا۔

۲۔ دل میں درد کا اُٹھ جانا۔

۳۔ آنکھوں کا نم ہوجانا۔

۴۔ آنسوؤں کا نکل آنا۔

۵۔ آنسوؤں کا ٹپکنے لگنا۔

۶۔ آنسوؤں کا رخساروں پر جاری ہونا۔

۷۔ آواز کا بلند ہوجانا۔

۸۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ جانا۔

۹۔ صدائے نالہ و شیون کا بلند ہوجانا۔

۱۰۔ سر و سینہ پیٹ لینا۔

۱۱۔ انداز حزن و غم پیدا کرلینا۔

۱۲۔ روتے روتے آنسوؤں کا خشک ہوجانا۔

۱۳۔ شدّتِ غم سے ترک آب و دانہ کردینا۔

۱۴۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون کے قطرے ٹپک پڑنا۔

اسباب بکاء علی الحسینؑ

۱۔ جناب آدمؑ نے عالم قدس میں تصویر دیکھی تو روئے۔

۲۔ مومن کے سامنے ذکر آئے گا تو روئے گا۔

۳۔ مرسل اعظمؐ کی نگاہ پڑگئی تو روئے۔

۴۔ ارضِ کربلا پر نگاہ سبب گریہ ہے۔
۵۔ انبیاء نے نام حسینؑ لیا اور روئے۔
۶۔ پیغمبرؐ نے لب و دنداں کے بوسے لیے اور روئے۔
۷۔ انتساب الی الحسینؑ موجب گریہ ہے۔ جناب نوحؑ نے نام حسینؑ سے کیل اٹھائی اور روئے۔
۸۔ ماہ محرم آیا اور آنسو نکل پڑے۔
۹۔ مومن سرزمین کربلا پر وارد ہوا اور رو دیا۔
۱۰۔ نام کربلا آیا اور آنسو نکل آئے۔
۱۱۔ ٹھنڈا پانی پیا اور امام صادقؑ کے آنسو نکل پڑے۔
۱۲۔ خاک کربلا کو سونگھا اور ثانیٔ زہراؑ گریہ فرمانے لگیں۔
۱۳۔ کسی غریب و مظلوم کا ذکر آیا اور حسینؑ کے مصائب پر رونا آگیا۔
۱۴۔ مصائب کربلا پر غور کیا اور آنسوؤں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

فضائل و امتیازاتِ گریہ

۱۔ گریہ رسول اکرمؐ سے ارتباط کا ذریعہ ہے۔
۲۔ گریہ معصومِ عالم کی تسکین کا سبب ہے۔
۳۔ گریہ ادائے حق پیغمبرؐ ہے۔
۴۔ گریہ اقتدائے سیرت مرسلین ہے۔
۵۔ گریہ مصداق اجر رسالت ہے۔
۶۔ گریہ تسلیت قلب معصومینؑ ہے۔
۷۔ گریہ نصرت حسینؑ ابن علیؑ ہے۔
۸۔ گریہ ہمہ وقت عبادت ہے۔
۹۔ گریہ وجہ شفاعت ہے۔
۱۰۔ گریہ آتش جہنم کو خاموش کرنے کا ذریعہ ہے۔

۱۱۔ چشم گریاں برحسینؑ روز قیامت گریاں نہ ہوگی۔
۱۲۔ قطرۂ اشک محبوب پروردگار ہے۔
۱۳۔ قطرات اشک کو ملائکہ شیشے میں جمع کرتے ہیں۔
۱۴۔ اشک عزا ذخیرۂ آخرت اور موجب ثواب بے حساب ہے۔

خبردار! ان روایات پر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ گریہ خود دعوت عمل ہے۔ گریہ امام حسینؑ سے ربط کی علامت ہے اور ربط حسینؑ مستقل دعوتِ عمل ہے۔ حسینؑ کا ربط عمل صالح سے ہے بے عملی سے نہیں ہے!

مجالس قبلِ ولادت امام حسینؑ

۱۔ جناب آدمؑ نے عرفات میں پنجتن پاک کا واسطہ دے کر دعا کی تو نام حسینؑ پر آنسو نکل آئے اور جبرئیل نے مصائب بیان کیے۔
۲۔ شب معراج جنت میں حوریہ نے مصائب بیان کیے اور پیغمبر اسلامؐ سماعت فرماتے رہے۔
۳۔ شب معراج دو قصر سرخ و سبز دیکھ کر جنت میں جبرئیل نے مصائب امام حسینؑ بیان کیے اور حضور سرور کائنات نے گریہ فرمایا۔
۴۔ جناب آدمؑ سرزمین کربلا سے گذرے تو ٹھوکر کھانے پر پیروں سے خون جاری ہوگیا اور وحی الٰہی آئی کہ یہ ارض کربلا ہے اور آدم روئے۔
۵۔ سفینۂ نوح کو جھٹکا لگا تو ارشاد قدرت ہوا کہ سفینہ ارض کربلا سے گذر رہا ہے، اور جناب نوح روئے۔
۶۔ جناب موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات ہوئی تو خضر نے مصائب آل محمدؐ بیان کیے اور دونوں روئے۔
۷۔ بساط سلیمانی کا گزر کربلا کی سمت سے ہوا تو چکر آگیا اور حاملان بساط نے مصائب کربلا بیان کیے۔

۸۔ جناب ابراہیمؑ نے ملکوت سماوات وارض کے مشاہدہ میں شبیہ حسینؑ دیکھی تو گریہ شروع کر دیا۔

۹۔ بت شکنی کے موقع پر تصور مصائب حسینؑ کی بنا پر فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔

۱۰۔ اسماعیلؑ کی قربانی پر ذکر حسینؑ آگیا تو بے ساختہ گریہ فرمایا۔

۱۱۔ جناب ابراہیمؑ کا زمین کربلا سے گذر ہوا تو گھوڑے سے گر پڑے اور گریہ فرمایا۔

۱۲۔ جناب اسماعیلؑ شط فرات پر گوسفند چرا رہے تھے اور گوسفندوں نے پانی نہیں پیا تو بیان مصائب کربلا پر روئے۔

۱۳۔ جناب عیسیٰؑ نے حواریین کے درمیان ذکر کربلا کیا اور سب رونے لگے۔

۱۴۔ جناب موسیٰؑ طور سینا پر بار بار روئے۔

(الخصائص الحسینیہ)

مجالس بعد ولادت امام حسینؑ

۱۔ آسمانوں پر تہنیت ولادت کے لیے آنے والے دس لاکھ ملائکہ سے پروردگار عالم نے مصائب حسینؑ بیان کیے۔

۲۔ حجرۂ جناب سیدہؑ میں تذکرۂ مصائب کیا گیا۔

۳۔ ازواج کے حجرات میں یہی تذکرہ کیا گیا۔

۴۔ مسجد پیغمبرؐ میں کبھی خود پیغمبرؐ نے بیان کیا، کبھی جبرئیل امین نے اور کبھی بارہ فرشتوں نے جو زیارت امام حسینؑ کے لیے آئے تھے۔

۵۔ خاک کربلا جناب ام سلمہ کے حوالہ کرتے ہوئے جناب پیغمبر اسلامؐ کا بیان۔

۶۔ منبر کوفہ سے مولائے کائنات کا بیان مصائب۔

۷۔ صفین سے واپسی پر زمین کربلا پر مولائے کائنات کا بیان۔

۸۔ صدیقہ طاہرہؑ کی مجلسیں۔

۹۔ مدینہ میں ام البنینؑ کا بیان۔

۱۰۔ وقت آخر امام حسنؑ کا بیان مصائب جس کے سامع خود امام حسینؑ تھے۔

۱۱۔ مدینہ سے رخصت کے وقت قبر رسولؐ پر تذکرۂ مصائب جس کے ذاکر پیغمبر اکرمؐ تھے اور سامع امام حسینؑ۔

۱۲۔ ہاشمی خواتین کے درمیان وقت رخصت مدینہ امام حسینؑ کا بیان مصائب۔

۱۳۔ امام حسینؑ کا مدینہ سے روانگی کے وقت ملائکہ اور جنات کے درمیان بیان مصائب۔

۱۴۔ حجاج کے درمیان امام حسینؑ کا بیان مصائب بیت اللہ الحرام میں۔

(خصائص حسینیہ)

مجالس بعد شہادت امام حسینؑ

۱۔ مقتل میں ثانی زہراؑ کا بیان۔

۲۔ لاش مطہر کے گرد جنات کا نوحہ۔

۳۔ کوفہ کے بازار میں اہل حرم کا بیان

۴۔ شام و مدینہ میں اہلبیتؑ کا بیان۔

۵۔ دربار یزید میں تذکرۂ مصائب۔

۶۔ مسجد اموی میں امام زین العابدینؑ کا خطبہ۔

۷۔ شام کی عورتوں کے درمیان ثانی زہراؑ کا بیان۔

۸۔ مدینہ کے باہر عابدؑ بیمار کا بیان۔

۹۔ قریب مدینہ جناب ام کلثومؑ کا مرثیہ۔

۱۰۔ قبر حسینؑ پر ملائکہ کا نوحہ و ماتم۔

۱۱۔ آسمانوں پر مجلس صدیقہ طاہرہؑ۔

۱۲۔ ائمہ معصومینؑ کی مجلسیں۔

۱۳۔ ملائکہ کی مجلسیں۔

۱۴۔ عزاداران حسینؑ کی مجلسیں۔

منازلِ شہادت

۱۔ شہید مربوط بحق ہوتا ہے۔
۲۔ شہید قوم پر صاحب حق ہوتا ہے۔ اپنی زندگی دے کر ساری قوم کو زندہ کرتا ہے۔
۳۔ شہید نمونۂ ایثار ہوتا ہے۔
۴۔ شہید کا جسم بھی محترم ہوتا ہے۔
۵۔ شہید کا ہر قطرۂ خون محبوب پروردگار ہوتا ہے۔
۶۔ شہید نیکیوں کے آخری مرتبے کا نام ہے۔
۷۔ شہید روز قیامت شہادت دیتا ہے۔
۸۔ شہید روز قیامت شفاعت کرتا ہے۔
۹۔ شہید کی خاک تربت طیب و طاہر ہوتی ہے۔
۱۰۔ لفظ شہید ہر قوم و ملت میں قابلِ احترام ہے۔
۱۱۔ شہید جنت کا خریدار ہوتا ہے۔
۱۲۔ شہید نفس مطمئن اور مرضیٔ حق کا طلبگار ہوتا ہے۔
۱۳۔ شہید صاحب نعمت و فضلِ الٰہی ہوتا ہے۔
۱۴۔ شہید زندۂ جاوید اور مرزوق عند اللہ ہوتا ہے۔

دُروسِ کربلا

۱۔ وطن کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، اسلام پر وقت پڑ جائے تو اسے ترک کر دینا چاہیے۔
۲۔ مقصد کی راہ میں ہر طرح کی قربانی ضروری ہے۔
۳۔ حقیقی محبت یہی ہے کہ دوست کی راہ میں جان بھی دے دی جائے۔
۴۔ حریت کا اسلامی مفہوم یہ ہے کہ ظالم کی نوکری سے آزادی حاصل کر لی جائے۔
۵۔ فقاہت کے معنی یہ ہیں کہ نصرت حسینؑ میں قدم آگے بڑھیں، اور ظالموں کو بھی

دعوتِ نماز دی جائے۔
۶۔ حقیقی مساوات یہ ہے کہ غلام کا سر بھی اپنے زانو پر رکھا جائے۔
۷۔ شجاعت جذبات نفس پر قابو پانے اور جذبات کو پابند مشیت بنا دینے کا نام ہے۔
۸۔ تقاضائے وفا یہ ہے کہ امان نامہ ملے مگر اسے ٹھکرا دیا جائے۔
۹۔ قربانی کا مفہوم یہ ہے کہ جذبات کی قربانی دی جائے نہ کہ جذباتی قربانی۔
۱۰۔ تبلیغ کا صحیح راستہ یہ ہے کہ راستہ روکنے والے کو بھی پانی پلا دیا جائے۔
۱۱۔ اسلامی جہاد کا انداز یہ ہے کہ شدّت مظالم میں بھی جنگ کی ابتدا نہ کی جائے۔
۱۲۔ دشمن لاکھ سرکشی پر آمادہ ہو لیکن دعوت الی اللہ دیتے رہو۔
۱۳۔ میدانِ جہاد میں قدم جما دو تو لاکھوں کے مقابلہ میں بھی قدم پیچھے نہ ہٹیں۔
۱۴۔ بندگی کی حقیقی شان یہ ہے کہ زیر خنجر بھی سجدۂ معبود ادا کیا جائے۔

ترجمہ

دُعائے عرفہ امام حسینؑ

امام حسینؑ ــــــ میدانِ عرفات میں

ماہِ ذی الحجہ کی نویں تاریخ تھی۔ مکہ معظمہ کے قریب عرفات کے میدان میں حجاج بیت اللہ مصروف ثنا و دعا تھے کہ ایک مرتبہ راوی کی نگاہ دامنِ کوہ کے اس حصہ پر پڑ گئی جہاں سرکار سید الشہدا امام حسینؑ اپنے اصحاب و انصار اور اہلِ خاندان کے ساتھ دعا و مناجات میں مصروف تھے۔ زبان مبارک پر حمد و ثنا اور التماس و دعا کے فقرات تھے اور چشم مبارک سے مسلسل آنسو جاری تھے۔

رُخ طرف آسمان اور ہاتھ اُٹھے ہوئے

لہجہ میں دعا و مناجات کا انداز اور طریقۂ التماس میں ایسا گداز جیسے کوئی گدائے بے نوا سلطان السلاطین کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض مدعا کر رہا ہو۔

امت کے لیے اس سے بہتر نسخۂ شفا و دعا اور تربیت قوم کے لیے اس سے بالاتر اندازِ بیانِ مدعا ممکن نہیں ہے۔ رب کریم جملہ اہلِ ایمان کو توفیق دے کہ میدانِ عرفات میں حاضر ہو کر یا کم سے کم روزِ عرفہ اس دُعا کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

ــــــــــ جوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے کہ جو بے طلب عطا کرنے والا اور بے پایاں کرم کا مالک ہے۔ نہ کوئی اس کے فیصلے کو ٹوک سکتا ہے نہ کوئی اس کی عطا کو روک سکتا ہے اور نہ اس کی جیسی کوئی شے ایجاد کر سکتا ہے۔

اس نے بے مثال چیزیں ایجاد کی ہیں اور اپنی حکمت کاملہ سے ہر صنعت کو محکم بنایا ہے۔ زمانہ کی ایجادات اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں اور امانتیں اس کی بارگاہ میں ضائع نہیں ہوتیں۔

ہر عمل کرنے والے کو جزا دینے والا، ہر قناعت کرنے والے کو صلہ عطا کرنے والا اور ہر فریاد کرنے والے پر رحم کھانے والا ہے۔ منافع کا نازل کرنے والا اور روشن و تابناک نور کے ساتھ کتابِ جامع کا اتارنے والا ہے۔

ہر ایک کی دعا سننے والا، ہر ایک کے رنج کا دفع کرنے والا، درجات کا بلند کرنے والا اور جبّاروں کا قلع قمع کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، وہ بے مثال اور ہر ایک کی سننے والا، ہر چیز کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

خدایا! میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں۔ مجھے اقرار ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ تیری بارگاہ میں مجھے پلٹ کر آنا ہے۔

تو نے مجھ پر اس وقت سے انعامات شروع کیے ہیں جب میں کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا۔ مجھے خاک سے پیدا کیا، مختلف صلبوں سے گزارا، زمانے کے حوادث، دہر کے اختلافات اور ماہ و سال کے تغیرات و انقلابات سے محفوظ رکھا۔

میرا سفر ایک مدت تک اصلاب سے ارحام کی طرف جاری رہا اور آخر میں یہ تیرا کرم ہوا کہ

تو نے اس دنیا میں بھیج دیا لیکن اپنے کمالِ رحم و کرم اور تمام لطف و احسان کی بنا پران سربراہانِ کفر کی حکومت میں نہیں بھیجا جنھوں نے تیرے عہد کو توڑا اور تیرے اصولوں کو جھٹلایا بلکہ اس ماحول میں بھیجا جہاں آسان ہدایت کے انتظامات تھے اور پھر اسی میں میری نشو و نما کا انتظام کیا۔

اس خلقت و تربیت سے پہلے بھی تیرا بہترین برتاؤ اور کامل ترین انعام یہ تھا کہ تو نے ایک قطرۂ نجس سے مجھے بنایا اور عجیب تر بنایا۔ گوشت، خون اور کھال کے درمیان تین تین پردوں میں رکھا اور خود مجھے بھی میری خلقت سے آگاہ نہ کیا۔ میرے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھا اور مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑ دیا۔

اب جو تو نے دنیا میں بھیجا تو ہدایت و رہنمائی کے سارے انتظامات کے ساتھ مکمل برابر اور کامل الخلقت پیدا کیا۔ میں گہوارہ میں بچہ رہا تو تو نے حفاظت کا انتظام کیا۔ غذا کے لیے تازہ دودھ فراہم کیا۔ پالنے والی عورتوں کو مہربان بنا دیا۔ رحم دل ماؤں کو کفیل اور نگراں بنا دیا۔ جنّات کے آسیب سے محفوظ رکھا۔ زیادتی اور کمی سے بچائے رکھا۔ بے شک اے خدائے رحیم و کریم تیری ہستی بہت بلند و برتر ہے۔

اس کے بعد جب میں بولنے کے لائق ہوا تو تو نے اور مکمل نعمتیں دیں اور تربیت کے ذریعہ ہر سال مجھے آگے بڑھایا یہاں تک کہ جب میری فطرت کامل ہو گئی اور میرے قویٰ مضبوط ہو گئے تو تو نے اپنی حجت کو لازم قرار دے دیا۔ مجھے معرفت کا الہام کیا، اپنی حکمت کے عجائبات سے مدہوش بنا دیا اور زمین و آسمان کی عجیب ترین مخلوقات کے سمجھنے کے لیے مجھے بیدار مغز بنا دیا اور پھر اپنی یاد، اپنے شکریہ اور اپنی اطاعت و عبادت کے لیے ہوشیار کر دیا۔ اتنی صلاحیت دی کہ رسولوں کے پیغام کو سمجھ سکوں۔ اتنی آسانی فراہم کی کہ تیری مرضی کی باتوں کو قبول کر سکوں، اور پھر ان سب مواقع پر اپنی مدد اور اپنے لطف و کرم و احسان سے محروم نہیں رکھا۔ مجھے بہترین مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسی ایک نعمت پر اکتفا نہیں کی بلکہ طرح طرح کی غذائیں دیں، قسم قسم کے لباس دیے۔ تیرا احسان میرے اوپر عظیم اور تیرا لطف قدیم ہے۔

پھر جب ساری نعمتوں کو مکمل کر دیا اور ساری بلاؤں کو دفع کر دیا تو بھی میری جہالت اور میری جسارت تجھے کرم سے روک نہیں سکی اور تو نے اس راستہ کی رہنمائی کی جو تجھ سے قریب تر بنا سکے،

ان اعمال کی توفیق دی جو تیری بارگاہ میں تقرب کا باعث بن سکیں۔

اب بھی جب میں دعا کرتا ہوں تو قبول کر لیتا ہے اور جب سوال کرتا ہوں تو عطا کر دیتا ہے، جب اطاعت کرتا ہوں تو شکریہ ادا کرتا ہے اور جب شکریہ ادا کرتا ہوں تو مزید دے دیتا ہے۔ یہ سب درحقیقت تیرے احسانات و انعامات کی تکمیل ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

تو پاک، بے نیاز، پیدا کرنے والا، واپس لے جانے والا، قابلِ حمد و ثنا اور مالک مجد و بزرگی ہے۔ تیرے نام پاکیزہ اور تیری نعمتیں عظیم ہیں۔

خدایا! میں تیری کن کن نعمتوں کو شمار کروں اور کیسے کیسے یاد رکھ سکوں۔ تیرے کس کس عطیہ کا شکریہ ادا کروں جب کہ ساری نعمتیں بڑے بڑے شمار کرنے والوں کے احصاء سے بالاتر اور بڑے بڑے حافظہ والوں کے علم کی رسائی سے بلند تر ہیں۔ اس کے علاوہ جن نقصانات، مصائب اور بلاؤں کو تو نے ٹالا ہے وہ اُس عافیت و مسرت سے کہیں زیادہ اہم ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے اور جو میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

پروردگارا! میں اپنے ایمان کی حقیقت، اپنے یقین محکم، اپنی خالص اور واضح توحید، ضمیر کے پوشیدہ اسرار، نورِ بصارت کی گزرگاہوں، صفحۂ پیشانی کے خطوط، سانس کے گزرنے کے شگاف، قوتِ شامہ کے خزانوں، قوتِ سماعت تک آواز پہونچنے کے سوراخوں، ہونٹوں کے اندر دبے ہوئے رموز، زبان کی حرکت سے نکلے ہوئے الفاظ، دہن کے اوپر اور نیچے کے جبڑوں کے ارتباط کی جگہوں، داڑھ کے اُگنے کے مقامات، کھانے پینے کی سہولت کے راستے، کار سر کو سنبھالنے والے استخوان، گردن کے اعصاب کے ارتباط کی وسعتوں، سینہ کی فضاؤں، گردن کے رشتوں کو سنبھالنے والے اعصاب، قلب کے پردہ کو روکنے والے ڈورے، جگر کے ٹکڑوں کو جمع کرنے والے اجزاء، پہلو، جوڑ بند، قوائے عمل، اطراف انگشت کے محتویات و مشتملات، گوشت، خون، بال، کھال، اعصاب، شرائین، استخوان، مغز، رگیں، جوارح اور دورانِ رضاعت و شیر خواری مرتب ہونے والے اجزاء بدن اور زمین نے جو میرے وجود کا بار اٹھا رکھا ہے اور اپنی نیند، بیداری، حرکات و سکنات، رکوع و سجود سب کے حوالے سے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اگر میں ارادہ بھی کروں اور کوشش بھی کروں کہ آخر زمانہ

تک زندہ رہ کر تیری کسی ایک نعمت کا شکریہ ادا کر لوں تو یہ ناممکن ہے۔ مگر یہ کہ تیرا احسان ہی شاملِ حال ہو جائے۔ مگر وہ خود بھی تو ایک شکریہ کا طلبگار ہے۔ میرے اوپر ہر وقت ایک نیا احسان ہے اور جس سے ہر آن ایک نئے شکریہ کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔

بے شک ہیں کیا اگر میرے ساتھ تمام شمار کرنے والے انسان شریک ہو کر تیرے جدید و قدیم احسانات کی انتہا دریافت کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ انھیں شمار کر سکتے ہیں۔ اور یہ ممکن بھی کس طرح ہوگا جب کہ تو نے خود اپنی کتابِ ناطق اور خبرِ صادق کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا ہے کہ:

"اگر تم سب مل کر بھی میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو گے تو نہیں کر سکتے ہو۔"

بے شک تیری کتاب صادق، تیری خبر سچی اور تیرا بیان حق ہے۔ تیرے انبیاء و مرسلین نے تیری وحی اور شریعت کو مکمل طریقہ سے پہونچایا ہے اور میں خود بھی اپنی کوشش، ہمت حدّ اطاعت اور وسعت و امکان بھر اس بات کی گواہی دیتا ہوں اور اس پر اپنے ایمان و یقین کا اعلان کرتا ہوں کہ ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں ہے کہ اس کی میراث کا مالک ہو جائے۔ کوئی شریک نہیں ہے کہ ایجادات میں جھگڑا کرے، کوئی ولی و سرپرست نہیں ہے کہ صنعت میں تعاون کرے۔ وہ پاک و پاکیزہ اور بے نیاز ہے۔ اگر زمین و آسمان میں اس کے علاوہ کوئی بھی خدا ہوتا تو زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے اور ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے۔

وہ پاک و بے نیاز، ایک، اکیلا اور سب سے مستغنی ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے، نہ بیٹا اور نہ ہمسر۔

میں اس کی اس حمد کا اعلان کرتا ہوں جو ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کی حمد کے برابر ہو۔ خدا خیر المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ اور اُن کی آل طیبین و طاہرین پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خدایا! مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈروں جیسے تجھے دیکھ رہا ہوں۔ اپنے تقویٰ سے میری امداد فرما اور معصیت سے مجھے شقی اور بدبخت نہ بنا دینا، اپنے فیصلہ کو میرے

حق میں بہتر قرار دے اور اپنے مقدرات کو میرے لیے مبارک بنا دے تاکہ جس چیز کو تو نے دیر میں رکھا ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو مقدم کر دیا ہے اس کی تاخیر نہ چاہوں۔

خدایا مجھے دل کا غنی بنا دے۔ میرے نفس میں یقین، عمل میں اخلاص، بصارت میں نور اور دین میں بصیرت عطا فرما، میرے لیے اعضا و جوارح کو مفید قرار دیدے اور سماعت و بصارت کو میرا وارث بنا دے، ظلم کرنے والوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور ان سے میرا انتقام میری نظروں کے سامنے لے لے تاکہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

خدایا! میرے رنج کو دور فرما، میرے مخفی امور کی پردہ پوشی فرما، میری خطاؤں کو بخش دے، شیطان کو مجھ سے دور رکھ، میری گرفتاریوں میں رہائی عطا فرما اور دنیا و آخرت میں مجھے بلند ترین درجات پر فائز فرما۔

خدایا! تیرا شکر کہ تو نے پیدا کیا، تو سماعت و بصارت سمیت پیدا کیا۔ تیرا شکر کہ تو نے خلق کیا تو تام و کامل خلق کیا۔

یہ صرف تیری رحمت ہے ورنہ تو میری تخلیق سے بے نیاز تھا۔

خدایا! جس طرح تو نے تخلیق میں خلقت کو معتدل بنایا ہے اور تصویر میں صورت کو حسین اور متناسب بنایا ہے مجھ پر احسان کر کے میرے نفس میں عافیت عطا کی ہے مجھے محفوظ رکھا ہے ــــ اور توفیق کرامت فرمائی ہے، مجھ پر انعام کیا ہے اور مجھے ہدایت دی ہے، مجھے احسان کے قابل بنایا ہے اور ہر خیر کا ایک حصہ عطا کیا ہے، مجھے کھانا کھلایا ہے اور پانی پلایا ہے، مجھے بے نیاز بنایا ہے اور سرمایہ و عزت عطا کی ہے۔ میری مدد کی ہے اور مجھے معزز بنایا ہے۔ مجھے اپنی خاص کرامت سے ستر پوشی کرنے والا لباس دیا ہے اور اپنی مخصوص رحمت سے مشکلات کو آسان بنایا ہے۔

خدایا! تو اب محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور زمانہ کے مہلکات اور روز و شب کے تصرفات کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ دنیا کے ہولناک مواقع اور آخرت کے رنج افزا مراحل سے نجات عطا فرما اور روئے زمین کے ظالموں کی تدبیروں سے محفوظ فرما۔

خدایا! جس چیز کا مجھے خوف ہے اس کے لیے کفایت فرما اور جس چیز سے پرہیز کرتا ہوں،

اس سے بچالے۔ میرے نفس اور دین میں میری حراست فرما اور میرے سفر میں میری حفاظت فرما، اہل و مال کی کمی کو پوری فرما، اور جو رزق تو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔ مجھے خود میرے نزدیک ذلیل بنادے اور لوگوں کی نگاہوں میں صاحب عزّت قرار دیدے، جنّ و انس کے شر سے صحیح و سالم رکھنا اور گناہوں کی بنا پر مجھے رُسوا نہ کرنا، میرے اسرار کو بے نقاب نہ فرمانا اور میرے اعمال میں مجھے مبتلا نہ کرنا، جو نعمتیں دے دی ہیں انھیں واپس نہ لینا اور اپنے علاوہ کسی غیر کے حوالہ نہ کردینا۔

خدایا! تو مجھے اپنے علاوہ کس کے حوالے کرے گا؟ اقربا کے حوالے کرے گا کہ قطع تعلق کرلیں۔ یا دور والوں کے سپرد کردے گا کہ حملہ آور ہوجائیں۔ یا مجھے کمزور بنا دینے والوں کے حوالے کردے گا جب کہ تو ہی میرا رب اور میرے امور کا مالک ہے۔

خدایا۔ میں تجھ سے اپنی غربت، وطن سے دوری اور صاحبانِ اختیار کی نگاہوں میں اپنی ذلّت کی فریاد کرتا ہوں۔

خدایا! مجھ پر اپنا غضب نازل نہ فرمانا کہ تو نے غضب سے آزاد کردیا تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ تو پاک و بے نیاز ہے اور تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔

پروردگار! میں تیرے روئے روشن کے واسطہ سے جس نے زمین و آسمان کو منور کردیا ہے اور ظلمتوں کو کافور بنا دیا ہے اور اولین و آخرین کے امور کی اصلاح کردی ہے۔ یہ سوال کرتا ہوں کہ میری موت تیرے غضب کے عالم میں نہ ہو اور مجھ پر تیری ناراضگی کا نزول نہ ہو۔ میں بار بار گزارش کرتا ہوں کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے مجھ سے راضی ہوجا اور اپنی ناراضگی کو لطف و کرم میں تبدیل کردے تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ تو شہر محترم، مشعر الحرام اور اس عذاب سے آزاد کرانے والے قدیم ترین گھر کا مالک ہے جسے تو نے برکتوں سے بھر دیا ہے اور لوگوں کے لیے جائے امن بنا دیا ہے۔

اے خدا! جس نے اپنے حلم سے عظیم ترین گناہوں کو معاف کیا ہے اور اپنے فضل و کرم سے مکمل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔

اے خدا! جس نے اپنے کرم سے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اے شدتوں کے لیے ذخیرۂ بندگان! تنہائیوں کے ساتھی رنج و غم کے فریاد رس، نعمتوں کے مالک! میرے اور میرے

بزرگان خاندان ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاق و یعقوب کے مالک! جبرئیل و میکائیل و اسرافیل اور خاتم النبیین محمد مصطفیٰؐ اور ان کی آل طیبین و طاہرین کے پروردگار! توریت و انجیل و زبور و قرآن کے نازل کرنے والے! کٓھٰیٰعٓصٓ و طٰہٰ و یٰسٓ اور قرآن حکیم کے عرش اعظم سے اُتارنے والے! تو اس وقت بھی میری پناہ گاہ ہے جب وسیع ترین راستے بھی مشکل ہوجائیں اور بے پناہ وسعتیں رکھنے والی زمین بھی تنگ ہوجائے۔

تیری رحمت نہ ہوتی تو میں ہلاک ہوجاتا کہ تو گرتے ہوئے کو سہارا دینے والا ہے، تیری پردہ پوشی نہ ہوتی تو میں رُسوا ہوجاتا کہ تو دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے والا ہے اور تیری کمک نہ ہوتی تو میں بالکل مغلوب ہوجاتا۔

اے وہ خدا! جس نے بلندی اور رفعت کو اپنے لیے مخصوص رکھا ہے اور چاہنے والے اسی کی عزّت سے صاحب عزّت بنے ہوئے ہیں۔

اے وہ خدا! جس کے سامنے بادشاہوں نے ذلّت اور خاکساری کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں۔

وہ آنکھوں کے خیانت کار اشاروں اور دل کے ہر رنگ رازوں سے باخبر ہے اور اسے آنے والے زمانوں کے تمام حالات و کیفیات کی اطلاع ہے۔

اے وہ خدا! جس کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے کہ اس کا علم صرف اسی کے پاس ہے۔

اے زمین کو پانی پر روکنے والے اور ہوا کے راستوں کو آسمانوں سے بند کرنے والے! اے وہ خدا جس کے نام بزرگ ترین ہیں اور جس کی نیکیاں ختم ہونے والی نہیں ہیں۔

اے صحرائے بے آب و گیاہ میں یوسفؑ کے لیے قافلے کے روکنے والے! اور انھیں کنویں سے نکال کر غلامی کی کیفیت سے بادشاہت تک پہونچانے والے! اے قدرتِ گریہ سے آنکھوں کے سفید ہوجانے کے بعد انھیں یعقوب تک پلٹا دینے والے!

اے ایوبؑ کی بلاؤں اور مصیبتوں کے دور کرنے والے! اور اے ابراہیمؑ کی ضعیفی میں ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹے کے ذبح کے امتحان سے روکنے والے!

اے زکریاؑ کی دعا کو قبول کر کے یحییٰ جیسا فرزند عطا کرنے والے اور انھیں تنہائی اور لاوارثی کی مصیبت سے بچانے والے!

اے یونسؑ کو شکم ماہی سے نکالنے والے!

اے سینۂ سمندر کو چاک کر کے بنی اسرائیل کو نجات دلانے والے اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دینے والے!

اے اپنی رحمتِ خاص سے ہواؤں کو خوش گوار موسم کی بشارت دے کر بھیجنے والے!

اے اپنی گناہ گار مخلوقات پر جلدی عذاب نہ کرنے والے! اور موسیٰؑ کے مقابلہ میں آنے والے جادوگروں کو عذاب سے بچا لینے والے! جب کہ انھوں نے بہت دنوں تک حقائق کا انکار کیا تھا اور رزقِ خدا کھا کر غیرِ خدا کی عبادت کی تھی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کر کے ان سے برسرِ پیکار رہ چکے تھے۔

اے اللہ! اے اللہ! اے بے مثل ایجاد کرنے والے اور بے مثال پیدا کرنے والے! تیرا کوئی جواب نہیں ہے اور تو ہمیشہ سے ہے، تجھے فنا نہیں ہے تو اس وقت بھی زندہ رہنے والا ہے جب کوئی ذی حیات نہ رہ جائے۔ اے مُردوں کو زندہ کرنے والے اور ہر نفس کے اعمال و افعال کی نگرانی کرنے والے!

اے وہ خدا! جس کا شکریہ میں نے بہت کم ادا کیا ہے لیکن اس نے نعمتوں سے محروم نہیں رکھا ہے۔ میری خطائیں بہت عظیم رہی ہیں لیکن اس نے رُسوا نہیں کیا ہے۔ مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسے مشہور نہیں کیا ہے۔ اس نے بچپنے میں بھی میری حفاظت کی ہے اور ضعیفی میں بھی مجھے رزق دیا ہے۔

اے وہ خدا! جس کی نعمتیں میرے پاس بے شمار ہیں اور اس کے الطاف و مکارم ناقابلِ معاوضہ ہیں۔

اے وہ خدا! جس نے میرا سامنا خیر و احسان کے ساتھ کیا ہے جب کہ میں نے اس کا مقابلہ بُرائی اور عصیان سے کیا ہے۔

اے وہ خدا! جسے میں نے حالتِ مرض میں پُکارا تو شفا دے دی، برہنگی میں آواز دی

تو لباس عطا فرما دیا، بھوک میں پکارا تو غذا دے دی، پیاس میں فریاد کی تو پانی پلا دیا، ذلت میں پُکارا تو عزت دے دی، جہالت میں پکارا تو معرفت دے دی، اکیلے میں آواز دی تو کثرت دے دی، غائب کے بارے میں التماس کی تو واپس پہونچا دیا، غربت میں فریاد کی تو غنی بنا دیا، ظلم کے مقابلہ میں کمک مانگی تو عطا فرما دی، مالداری میں پُکارا تو نعمت واپس نہیں لی اور کچھ نہ مانگا تو از خود عطا کر دیا۔

اے وہ خدا! جس نے لغزشوں میں سہارا دیا، رنج و غم سے نجات دی، دعا کو قبول کیا، مخفی امور کی پردہ پوشی کی، گناہوں کو معاف کیا، مقصد کو پورا کیا، دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کی۔ میں تیری نعمتوں، تیرے احسانات اور تیری عظیم بخششوں کو شمار کرنا بھی چاہوں تو ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔

تو ہی وہ ہے جس نے احسان کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے انعام دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے لطف و فضل کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے بہترین برتاؤ کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے فضل و کرم کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے کامل نعمتیں عطا کی ہیں۔

تو ہی وہ ہے جس نے رزق دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے توفیق دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عطا کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے غنی بنایا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے منتخب نعمتیں عطا کی ہیں۔ تو ہی وہ ہے جس نے پناہ دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے کفایت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے ہدایت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے محفوظ رکھا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے پردہ پوشی کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے مغفرت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے لغزشوں میں سہارا دیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے طاقت دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عزت دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے امداد کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے زورِ بازو عطا کیا ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے تائید کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے نصرت کی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے شفا دی ہے۔ تو ہی وہ ہے جس نے عافیت دی ہے۔ اور تو ہی وہ ہے جس نے بزرگی عطا کی ہے۔

تو صاحبِ برکت و عظمت ہے، تیری حمد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اور تیرا شکریہ بے حساب و بے نہایت ہے۔ اب اس کے بعد میرا حال زار یہ ہے کہ میں وہ بندۂ گناہ گار ہوں جسے اپنے

گناہوں کا اقرار اور اپنی خطاؤں کا اعتراف ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بُرائیاں کی ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے خطائیں کی ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے گناہوں کا ارادہ کیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے جہالت سے کام لیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے غفلت برتی ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس کو سہو ونسیان عارض ہوا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے قصداً گناہ کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے جان بوجھ کر غلط اقدامات کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بے شمار وعدے کیے ہیں۔ میں ہی وہ ہوں جس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے عہدوں کو توڑا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے بُرائیوں کا اقرار کیا ہے۔ میں ہی وہ ہوں جس نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ نعمتیں مجھ پر نازل ہوتی رہی ہیں اور اب بھی میرے پاس ہیں لیکن میں برابر گناہوں میں مبتلا رہا ہوں۔

پروردگار! مجھے معاف فرمادے کہ مجھ جیسے بندوں کے گناہوں سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ تو ہر ایک کی عبادت سے بے نیاز ہے اور ہر نیک عمل کرنے والے کو اپنی توفیق وتائید سے سہارا بھی دیتا رہتا ہے۔ میرے مالک اور میرے پروردگار! ساری حمد تیرے لیے ہے۔ خدایا! تو نے مجھے حکم دیا ہے تو میں نے سرتابی کی ہے اور منع کیا ہے تو میں نے اطاعت نہیں کی ہے۔ اب میرے پاس برات کے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور عذاب کو دفع کرنے کے لیے کوئی صاحب طاقت بھی نہیں ہے۔

میں کس طرح تیرا سامنا کروں اور کس کے سہارے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اس سماعت کے سہارے یا اس بصارت کے ذریعہ۔ اس زبان کے سہارے یا اس دل کے سہارے۔ اس ہاتھ کے وسیلے سے یا ان پیروں کے سہارے سے؟ یہ سب ہی تو تیری نعمتیں ہیں اور ان سب ہی سے تو میں نے تیری معصیت کی ہے۔ یہ سب ہی تو میرے خلاف تیری حجتیں اور دلیلیں ہیں۔

میرے پروردگار! جس نے میری بُرائیوں کو میرے ماں باپ سے بھی مخفی رکھا ہے اور انھیں جھڑکنے نہیں دیا ہے۔ عشیرہ وقبیلہ سے مخفی رکھا ہے اور انھیں سرزنش نہیں کرنے دیا ہے۔ حکام وسلاطین سے پوشیدہ رکھا ہے اور انھیں سزا نہیں دینے دی ہے۔ جب کہ یہ سب تیری طرح ساری حرکتوں پر مطلع ہوتے تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دیتے اور مجھے بالکل نظرانداز کر دیتے بلکہ مجھ سے قطع تعلق کر لیتے۔

اب میں تیری بارگاہ میں خضوع وخشوع، تواضع وانکسار اور اپنی حقارت وذلت کے

ساتھ حاضر ہوں نہ برات ذمہ کے لیے کوئی عذر رکھتا ہوں اور نہ گناہوں سے بچانے والا کوئی طاقتور سہارا۔ نہ میرے پاس کوئی دلیل ہے جس سے استدلال کروں اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ گناہ میں نے نہیں کیا ہے یا یہ بُرائی مجھ سے نہیں ہوئی ہے۔ میں تو انکار بھی نہیں کر سکتا ہوں اور انکار کروں بھی تو کیا فائدہ ہوگا جب کہ سارے اعضاء وجوارح میرے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار ہیں اور مجھے خود بھی اس بات کا یقین ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تو ان بڑے بڑے امور کے بارے میں سوال ضرور کرے گا اور تو حاکم عادل ہے تیرے یہاں ظلم کا گزر نہیں ہے لیکن خدایا میرے لیے تو انصاف وعدل بھی تباہ کن ہے۔ میں تو تیرے عدل وانصاف سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں اور صرف فضل وکرم کا معاملہ چاہتا ہوں۔

میرے پروردگار! تو اگر عذاب بھی کرے گا تو یہ میرے گناہوں کا نتیجہ ہوگا کہ تیری حجت تمام ہو چکی ہے اور تو معاف بھی کر دے گا تو یہ تیرے حلم وجود وکرم کا نتیجہ ہوگا۔ کہ تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ تو پاک اور بے نیاز ہے اور میں ظلم کرنے والوں میں ہوں۔

تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں استغفار کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں توحید کا کلمہ پڑھنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں خوف زدہ ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں لرزہ براندام ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں امیدواروں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں رغبت رکھنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں تیری وحدانیت کا اقرار کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں تیری تسبیح کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میں تیری بزرگی کا اعتراف کرنے والوں میں ہوں۔ تو اکیلا اور بے نیاز ہے اور میرا اور میرے آباء واجداد سب کا پروردگار بھی ہے۔

پروردگار! یہ میری حمد وثنا تیری بزرگی کے اقرار کے ساتھ ہے۔ اور یہ میرا اخلاص ذکر تیری توحید کے اعتراف کے ہمراہ ہے۔ میں تیری نعمتوں کا ایک ایک کر کے اقرار کرتا ہوں اور پھر یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ کوئی انھیں شمار نہیں کر سکتا۔ وہ بعید و بے حساب اور بے نہایت و بے شمار ہیں۔ تام وکامل بھی ہیں اور واضح وروشن اور قدیم وجدید بھی۔

تیری نعمتوں کا سلسلہ روز اول سے جاری ہے۔ جس دن سے تو نے مجھے خلق کیا اور میری زندگی کا آغاز کیا۔ وہ نعمتیں یہ ہیں کہ تو نے فقیری میں بے نیازی دی ہے، نقصانات کو رفع کیا ہے۔ سہولتوں کے انتظامات کیے ہیں، سختیوں کو دور کیا ہے، رنج والم کو برطرف کیا ہے، بدن میں عافیت دی ہے، دین میں سلامتی دی ہے۔ اور یہ نعمتیں اس قدر بے حساب ہیں کہ اگر اولین و آخرین مل کر میری مدد کریں اور میں ان کا حساب کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا اور نہ وہی سب کر سکتے ہیں۔ تو پاک و پاکیزہ اور بلند و برتر ہے۔ تو رب کریم و عظیم و رحیم ہے اور تیری نعمتوں کا شمار نہیں ہے۔ تیری حمد و ثنا کی منزل تک کوئی پہونچ نہیں سکتا اور تیری نعمتوں کا بدلہ ممکن نہیں ہے۔

پروردگار! محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور میرے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کردے اور اپنی اطاعت سے نیک بخت بنا دے کہ تو پاک و بے نیاز اور وحدہ لاشریک ہے۔

خدایا! تو مضطر لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، بُرائیوں کو دفع کرتا ہے، ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرتا ہے، بیماروں کو شفا دیتا ہے، فقیروں کو غنی بناتا ہے دل شکستہ کے دل کو جوڑ دیتا ہے، بچوں پر رحم کرتا ہے، بڑوں کو مدد بہم پہونچاتا ہے۔ تیرے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہے اور تجھ سے بالاتر کوئی صاحب طاقت نہیں ہے۔ تو خدائے علی و کبیر ہے۔

اے پابستۂ زنجیر اسیروں کو رہائی دلانے والے!۔ اے کمسن بچوں کو روزی دینے والے!۔ اے خوف زدہ طالبان پناہ کو پناہ دینے والے!۔ اے وہ خدا جس کا کوئی شریک اور وزیر نہیں ہے۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور آج کی شام مجھے وہ سب کچھ عطا فرما دے جو تو نے کسی بھی نیک بندے کو عطا کیا ہے۔ ظاہری نعمتوں کا تسلسل۔ باطنی نعمتوں کی تجدید۔ بلاؤں سے نجات، رنج و غم کا دفعیہ۔ دعاؤں کی استجابت، نیکیوں کی قبولیت بُرائیوں کی پردہ پوشی وغیرہ۔ تو لطیف بھی ہے اور خبیر بھی۔ اور ہر شے پر قادر و قدیر بھی۔

خدایا!۔ جس جس کو پکارا جاتا ہے ان میں تو سب سے زیادہ قریب ہے اور جو بھی لبیک کہنے والا ہے ان میں تو سب سے جلدی قبول کرنے والا ہے۔ ہر معاف کرنے والے سے زیادہ کریم اور ہر عطا کرنے والے سے زیادہ بخشنے والا ہے۔ ہر مشغول سے زیادہ سننے والا ہے

اور دنیا و آخرت کے لیے رحمان و رحیم ہے۔ تیرا جیسا کوئی قابل سوال نہیں ہے اور تیرے علاوہ کوئی امیدوں کا مرکز نہیں ہے۔ میں نے تجھے پکارا تو تو نے قبول کیا۔ تجھ سے مانگا تو تو نے عطا کر دیا۔ تیری طرف رغبت کی تو تو نے رحم کیا اور تجھ پر بھروسہ کیا تو تو نے نجات عطا کر دی، تیری پناہ مانگی تو اکیلا ہی کافی ہو گیا۔

خدایا! اپنے بندے اپنے رسول و نبی حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ان کی آل طیبینؑ و طاہرین پر رحمت نازل فرما، اور ہمارے لیے اپنی نعمتوں کو مکمل فرما دے، ہر عطا کو خوش گوار بنا دے اور ہمارا نام شکر گذاروں میں اور نعمتوں کو یاد رکھنے والوں میں درج فرما دے۔ آمین یارب العالمین۔

خدایا۔۔ اے وہ پروردگار جس کی ملکیت کے ساتھ اختیارات بھی ہیں۔ اور جس کے اختیارات کے ساتھ قہاری بھی ہے۔ جس نے عاصیوں کی پردہ پوشی کی ہے، استغفار کرنے والوں کو معاف کیا ہے۔ اے طلب گاروں اور رغبت کرنے والوں کی منزل آخر۔ امیدواروں کی امیدوں کی آماجگاہ، ہر شے پر علمی احاطہ رکھنے والے اور عذر خواہوں پر رافت و رحمت و تحمل کا مظاہرہ کرنے والے!

خدایا! ہم اس شام کے وقت تیری طرف متوجہ ہیں جسے تو نے باشرف و باعظمت قرار دیا ہے۔ ہمارا وسیلہ تیرا رسولؐ۔ تیری مخلوقات کا منتخب ترین بندہ۔ تیری وحی کا امین۔ تیرے ثواب کی بشارت دینے والا۔ تیرے عذاب سے ڈرانے والا اور روشن چراغ پیغمبر ہے جس کے ذریعہ تو نے مسلمان بندوں پر انعام کیا ہے اور اسے عالمین کے لیے رحمت قرار دیا ہے۔

خدایا! محمدؐ و آل محمدؐ پر ویسی رحمت نازل فرما جس کے وہ اہل ہیں۔ اے خدائے عظیم! حضرت محمدؐ اور ان کی آل طیبین و طاہرین پر رحمت نازل فرما اور اپنی معافی اور مغفرت کے ذریعہ ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔

تیری طرف مختلف زبانوں میں آوازیں اور فریادیں بلند ہیں لہٰذا آج کی شام مجھے ہر اس نعمت میں حصہ دار قرار دیدے جسے تو اپنے بندوں پر تقسیم کر رہا ہے اور جس نور سے ہدایت کر رہا ہے اور جس رحمت کو نشر کر رہا ہے اور جس برکت کو نازل کر رہا ہے اور جس لباس عافیت سے پردہ پوشی کر رہا ہے اور جس رزق میں وسعت دے رہا ہے۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ خدایا! میں اس وقت واپس جاؤں تو کامیاب، نجات یافتہ، نیک عمل، بہرہ ور اور

فائز المرام واپس جاؤں۔ مجھے مایوسِ رحمت نہ قرار دینا اور اپنی رحمت سے خالی نہ رکھنا۔ میری امیدیں محرومی کا شکار نہ ہونے پائیں اور مجھے اپنے فضل وکرم سے الگ نہ رکھنا۔ جس عطا کی امید رکھتا ہوں اس سے مایوس نہ ہو جاؤں اور تیری بارگاہ سے نامراد واپس نہ جاؤں۔ اپنے دروازے سے ہٹا نہ دینا کہ تو بہترین بخشش کرنے والا اور بلند ترین کرم کرنے والا ہے۔

میں تیری طرف بڑے یقین کے ساتھ متوجہ ہوں اور تیرے محترم مکان کا دل سے قصد کیے ہوئے ہوں۔ ان مناسک میں میری امداد فرما۔ میرے حج کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔ میرے گناہوں کو بخش دے اور میری خطاؤں کو معاف فرما۔

میں نے تیری بارگاہ میں وہ ہاتھ پھیلایا ہے جس پر ذلت وحقارت کے نشانات لگے ہوئے ہیں لیکن پروردگار جو ہم نے مانگا ہے وہ آج کی شام عطا کر دے اور جس کام کے لیے پکارا ہے اس کے لیے کافی بن جا۔ تیرے علاوہ کوئی اور کافی نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی اور پروردگار بھی نہیں ہے۔ تیرا حکم نافذ ہے اور تیرا علم محیط اور تیرا فیصلہ مبنی بر انصاف ہے۔ ہمارے حق میں خیر کا فیصلہ فرما اور ہمیں اہلِ خیر میں قرار دے۔

خدایا! اپنے جود وکرم سے ہمارے لیے عظیم ترین اجر اور بہترین ذخیرۂ ثواب اور دائمی سہولت ورفاہیت کو لازم قرار دے دے۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمیں ہلاک ہونے والوں میں نہ قرار دینا۔ اپنی رحمت و رافت کا رُخ ہماری طرف سے نہ موڑ دینا کہ تو ارحم الراحمین اور خیر الغافرین ہے۔

خدایا! آج کی شام ان لوگوں میں قرار دے جن کے سوال پر تو نے عطا کیا ہے اور جن کے شکر پر اضافہ کیا ہے۔ جن کی توبہ کو قبول کیا ہے اور جن کے گناہوں سے جدا ہو جانے پر انھیں معاف کر دیا ہے۔ اے صاحب جلال واکرام!

خدایا۔! ہمیں پاکیزہ بنا دے۔ ہماری مدد فرما۔ ہماری فریاد وزاری پر رحم فرما۔ اے بہترین مسئول اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اے وہ خدا جس پر پلکوں کی بندش اور آنکھوں کے اشارے مخفی نہیں۔ جو دلوں کے مضمرات کو بھی جانتا ہے اور سینے کے اندر چھپے ہوئے رازوں سے بھی باخبر ہے۔ اس کا علم سب کا احصار کیے ہوئے ہے اور اس کا علم ہر شے پر احاطہ

رکھتا ہے۔

تو پاک و بے نیاز ہے اور مخالفین کے اقوال وتصوّرات سے بہت زیادہ بلند وبرتر ہے۔ ساتوں آسمان، تمام زمینیں اور دونوں کی مخلوقات سب تیری تسبیح کر رہی ہیں۔ ہر ذرۂ کائنات تیرا تسبیح خواں ہے۔ حمد تیرے لیے ہے اور بزرگی اور برتری بھی تیرے ہی لیے ہے تو صاحبِ جلال واکرام اور مالکِ فضل وانعام ہے۔ تیری نعمتیں عظیم ہیں اور تو جواد وکریم اور رؤف ورحیم ہے۔

پروردگار! ہمارے لیے رزقِ حلال میں وسعت عطا فرما۔ ہمارے بدن اور دین دونوں میں عافیت عطا فرما۔ ہمیں خوف میں امن وامان عطا فرما اور ہماری گردن کو آتشِ جہنم سے رہائی عطا فرما۔

خدایا!۔ ہمیں اپنی تدبیروں کا نشانہ نہ بنانا اور اپنے عذاب میں دھیرے دھیرے کھینچ نہ لینا۔ ہم کسی دھوکے میں نہ رہنے پائیں اور جنات وانسان کے فاسقوں کے شر سے محفوظ رہیں۔

اس کے بعد حضرت نے سر مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اس عالم میں کہ چشم مبارک سے مسلسل آنسو رواں تھے اور زبان پر یہ فقرات تھے:

اے سب سے بہتر سننے والے اور سب سے زیادہ نگاہ رکھنے والے! سب سے تیز تر حساب کرنے والے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے! محمدؐ وآلِ محمد پر رحمت نازل فرما۔

پروردگار! میں تجھ سے ایسی حاجت طلب کر رہا ہوں کہ اگر تو اسے پورا کر دے گا تو باقی سب کا رد کر دینا بھی مضر نہ ہوگا اور اگر اسے رد کر دے گا تو باقی سب کا عطا کر دینا بھی مفید نہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ میری گردن کو آتشِ جہنم سے آزاد کر دے کہ تیرے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے ملک ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر و مختار ہے۔

اے رب۔ اے رب۔ اے رب۔ اے رب۔ اے رب۔ اے رب۔

اے رب۔ اے رب۔ اے رب!

خدایا!۔ میں اپنی مالداری میں بھی فقیر ہوں تو غربت میں کس طرح فقیر نہ ہوں گا، اور

اپنے علم کے باوجود جاہل ہوں تو جہالت میں کس طرح جاہل نہ ہوں گا۔

تیری تدبیروں کی نیرنگی اور تیرے مقدرات کی بسرعت تبدیلی نے تیرے بامعرفت بندوں کو اِن دونوں باتوں سے روک رکھا ہے کہ نہ کسی عطیہ کی طرف سے پُرسکون ہونے پاتے ہیں اور نہ کسی بلا کی وجہ سے مایوس ہونے پاتے ہیں۔

پروردگار۔! میری طرف سے وہ سب کچھ ہے جو میری ذلّت و پستی کے مطابق ہے تو تیری طرف سے بھی وہ سب کچھ ہونا چاہیے جو تیرے رحم و کرم کے شایان شان ہے۔

خدایا۔! تو نے اپنی تعریف لفظ لطیف و رؤف سے کی ہے اور میرے ضعف کے وجود سے پہلے سے اس کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ تو کیا اب ضعف کے ظاہر ہو جانے کے بعد اسے روک دے گا۔

خدایا۔! اگر مجھ سے نیکیوں کا ظہور ہو تو وہ تیرے کرم ہی کا نتیجہ ہے اور اگر برائیاں ظاہر ہوں تو یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں اور ان پر تیری حجّت تمام ہے

خدایا!۔ جب تو میرا کفیل ہے تو دوسرے کے حوالے کس طرح کرے گا؟ اور جب تو میرا مددگار ہے تو میں ذلّت سے دوچار کس طرح ہوں گا؟۔ تو میرے حال پر مہربان ہے تو مایوس اور ناکام ہونے کی کیا وجہ ہے۔؟

اب میں اپنی فقیری ہی کو واسطہ قرار دیتا ہوں لیکن اسے کس طرح واسطہ قرار دوں، جس کے تیری بارگاہ تک پہونچنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ میں اپنے حالات کا شکوہ کس طرح کروں کہ تو خود ہی بہتر جانتا ہے، اپنی زبان سے کس طرح ترجمانی کروں کہ سب تو تجھ پر خود ہی واضح اور روشن ہے۔ تو کیسے میری امیدوں کو ناامید کرے گا کہ وہ تیرے ہی کرم کی بارگاہ میں پیش کی گئی ہیں اور کیسے میرے حالات کی اصلاح نہیں کرے گا جب کہ ان کا قیام تیری ہی ذات سے وابستہ ہے۔

خدایا!۔ میری عظیم ترین جہالت کے باوجود تو کس قدر مہربان ہے اور میرے بدترین اعمال کے باوجود تو کس قدر رحیم و کریم ہے۔

خدایا! تو کس قدر مجھ سے قریب ہے اور میں کس قدر تجھ سے دور ہوں۔ اور جب تو

اس قدر مہربان ہے تو اب کون درمیان میں حائل ہو سکتا ہے۔

خدایا۔! آثار کے اختلاف اور زمانہ کے تغیرات سے میں صرف یہ سمجھا ہوں کہ تو ہر رنگ میں اپنے کو واضح کرنا چاہتا ہے کہ میں کسی طرح جاہل نہ رہ جاؤں اور بہر حال تجھے پہچان لوں۔

پروردگار! جب میری ذلّت و خساست میری زبان کو بند کرنا چاہتی ہے تو تیرا کرم قوتِ گویائی پیدا کر دیتا ہے اور جب میرے حالات و کیفیات مجھے مایوس بنانا چاہتے ہیں تو تیرے احسانات پھر پُرامید بنا دیتے ہیں۔

خدایا۔! میں جس کی نیکیاں بھی برائیوں جیسی ہیں۔ اس کی برائیوں کا کیا حال ہوگا، اور میں جس کی نگاہ کے حقائق بھی دعوے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں اس کے دعووں کی کیا حیثیت ہوگی۔

پروردگار! تیرے نافذ حکم اور تیری مہربان مشیت نے کسی کے لیے بولنے کا موقع نہیں چھوڑا، اور نہ کسی کو کسی حال پر ثابت رہنے دیا ہے۔ کتنی ہی مرتبہ میں نے اطاعت کی بنا رکھی اور حالات کو مضبوط بنایا لیکن تیرے عدل و انصاف نے میرے اعتماد کو منہدم کر دیا اور پھر فضل و کرم نے مجھے سہارا دے دیا۔

پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ اگر فعل و عمل کے اعتبار سے میری اطاعت دائمی نہیں ہے تو عزم و جزم کے اعتبار سے بہر حال دائمی ہے۔ میری حالت تو یہ ہے کہ میں کس طرح عزم کروں جبکہ صاحبِ اقتدار اور قاہر تو ہے اور کس طرح عزم نہ کروں جب کہ حاکم و آمر بھی تو ہی ہے۔

خدایا! آثارِ کائنات میں غور و فکر مجھے تیری ملاقات سے دور تر کیے جا رہے ہیں لہذا کسی ایسی خدمت کا سہارا دیدے کہ میں تیری بارگاہ میں پہونچ جاؤں۔ میں ان چیزوں کو کس طرح راہنما بناؤں جو خود ہی اپنے وجود میں تیری محتاج ہیں۔ کیا کسی شے کو تجھ سے زیادہ بھی ظہور حاصل ہے کہ وہ دلیل بن کر تجھے ظاہر کر سکے۔ تو کب ہم سے غائب رہا ہے کہ تیرے لیے کسی دلیل اور رہنمائی کی ضرورت ہو اور کب ہم سے دور رہا ہے کہ آثار تیری بارگاہ تک پہونچانے کا ذریعہ بنیں۔ وہ آنکھیں اندھی ہیں جو تجھے اپنا نگراں نہیں سمجھ رہی ہیں اور وہ بندہ اپنے معاملاتِ حیات میں سخت خسارہ میں ہے جسے تیری محبت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔

خدایا! تو نے آثار کائنات کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے تو اب نور کے لباس اور ہدایت کی بصیرت کے سہارے اپنی بارگاہ میں واپس بلا لے تاکہ میں اس شان سے واپس آؤں کہ میرا باطن اس کائنات کی طرف توجہ سے محفوظ ہو اور میری ہمت اس دنیا پر بھروسہ کرنے سے بلند ہو۔ تو ہر شے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔

پروردگار! یہ میری ذلت ہے جو تیری جناب میں بالکل واضح اور روشن ہے اور یہ میری حالت ہے جس پر کوئی پردہ نہیں ہے۔ میں تیرے ہی ذریعہ تیری بارگاہ تک پہونچنا چاہتا ہوں اور تیری ہی رہنمائی کا طلب گار ہوں۔ اپنے نور سے اپنی طرف ہدایت فرما اور اپنی سچی بندگی کے ساتھ اپنی بارگاہ میں حاضری کی سعادت کرامت فرما۔

خدایا! مجھے اہل تقرب کو حاصل ہونے والے حقائق عطا فرما اور جذب و کشش رکھنے والوں کے مسلک پر چلنے کی توفیق کرامت فرما۔

اپنی تدبیر کے ذریعہ مجھے میری اپنی تدبیر سے بے نیاز کر دے اور اپنے اختیار کے ذریعہ میرے اختیار و انتخاب مستغنی بنا دے اور اضطرار و اضطراب کے مواقع کی اطلاع اور آگاہی عطا فرما۔

پروردگار! مجھے میرے نفس کی ذلت سے باہر نکال دے اور موت سے پہلے ہر شک و شرک سے پاک و پاکیزہ بنا دے۔ میں تیری ہی مدد چاہتا ہوں تو تو میری امداد کر اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں، تو تو کسی اور کے حوالے نہ کر دینا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو ناامید نہ کرنا اور صرف تیرے فضل و کرم میں رغبت رکھتا ہوں تو مجھے محروم نہ رکھنا۔ میں تیری جناب سے رشتہ رکھتا ہوں تو مجھے دور نہ کرنا اور میں تیرے دروازہ پر کھڑا ہوں تو مجھے بھگا نہ دینا۔ تیری مرضی اس بات سے بلند تر ہے کہ اس میں تیری طرف سے کوئی نقص پیدا ہو سکے تو میری طرف سے کیا نقص پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اپنی ذات سے اس بات سے بے نیاز ہے کہ تجھے تیری طرف سے کوئی فائدہ پہونچے تو میری طرف سے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

خدایا یہ تو صرف قضا و قدر ہے جو امیدوار بنائے ہوئے ہے ورنہ خواہش تو آرزوؤں کی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھی۔ اب تو ہی میرا مددگار بن جا تاکہ تو ہی مدد کرے اور تو ہی راستہ دکھلائے۔ اپنے فضل و کرم سے ایسا غنی بنا دے کہ اپنی طلب سے بھی بے نیاز ہو جاؤں۔

تو ہی وہ ہے جس نے اپنے دوستوں کے دلوں میں انوار الوہیت کی روشنی پیدا کرائی ہے تو وہ تجھے پہچاننے لگے ہیں اور تیری وحدانیت کا اقرار کرنے لگے ہیں اور تو ہی وہ ہے جس نے اپنے محبوب کے دلوں سے اغیار کو نکال باہر کر دیا ہے، تو اب تیرے علاوہ کسی کے چاہنے والے نہیں ہیں اور کسی کی پناہ نہیں مانگتے ہیں تو نے اس وقت اُنس کا سامان فراہم کیا جب سارے عالم سبب وحشت بنے ہوئے تھے اور تو نے اس طرح ہدایت دی ہے کہ سارے راستے روشن ہو گئے ہیں۔

پروردگار! جس نے تجھے کھو دیا اس نے پایا کیا۔؟ اور جس نے تجھے پا لیا اس نے کھویا کیا۔؟ جس نے تیرا بدل تلاش کیا وہ مایوس ہو گیا اور جس نے تجھ سے منہ موڑا وہ گھاٹے میں رہا۔ تیرے علاوہ غیر سے امید ہی کیوں کی جائے جب کہ تو نے احسان کا سلسلہ روکا نہیں ہے اور تیرے سوا دوسرے سے مانگا ہی کیوں جائے جب کہ تیرے فضل و کرم کی عادت میں فرق نہیں آیا ہے۔

پروردگار! جس نے اپنے دوستوں کو انس و محبت کی حلاوت کا مزہ چکھا دیا ہے تو اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے اولیاء کو ہیبت کا لباس پہنا دیا ہے تو اس کے سامنے استغفار کرنے کے لیے استادہ ہیں۔ تو تمام یاد کرنے والوں سے پہلے یاد کرنے والا ہے اور تمام مانگنے والوں سے پہلے عطا کرنے والا ہے اور پھر کرم بالائے کرم یہ ہے کہ خود ہی دے کر خود ہی قرض کا مطالبہ کرتا ہے۔

خدایا۔! مجھے اپنی رحمت کے دروازے سے طلب کر لے تاکہ میں تیری بارگاہ تک پہونچ جاؤں اور مجھے اپنے احسان کے سہارے اپنی طرف کھینچ لے تاکہ میں تیری طرف متوجہ ہو جاؤں۔

خدایا۔! میں ہزار گناہ کروں مگر میری امید تجھ سے قطع ہونے والی نہیں ہے اور میں لاکھ اطاعت کروں مگر تیرے جلال سے میرا خوف ختم ہونے والا نہیں ہے۔ سارے عالم نے تیری طرف ڈھکیل دیا ہے اور تیرے فضل و کرم کی اطلاع نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

خدایا۔! جب تو میری امید ہے تو میں مایوس کس طرح ہو جاؤں اور جب تجھ پر میرا بھروسہ ہے تو میں ذلیل کس طرح ہو سکتا ہوں۔ اگر تو نے ذلت میں ڈال دیا تو صاحب عزت کیسے بنوں گا؟ اور تو نے اپنا بنا لیا تو ذلیل کیسے ہو سکوں گا۔؟

پروردگار۔! میں کس طرح فقیر نہ بنوں کہ تو نے فقیروں کے درمیان رکھا ہے، اور کیسے

فقیر رہ سکوں گا جب کہ تو نے اپنے فضل و کرم سے غنی بنا دیا ہے۔ تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ تو نے اپنے کو ہر ایک کو پہچنوا دیا ہے تو اب کوئی تجھ سے ناواقف نہیں ہے اور میرے لیے اور بھی واضح اور نمایاں ہوگیا ہے تو مجھے تیرا جلوہ ہر شے میں نظر آنے لگا ہے۔ تو درحقیقت ہر ایک کے لیے ظاہر اور روشن ہے۔

اے خدا۔! جس نے اپنی رحمانیت سے ہر شے پر احاطہ کر لیا ہے تو عرش اعظم بھی اس کی ذات میں گم ہوگیا ہے۔ تو نے آثار وجود کو دوسرے آثار کے ذریعہ نابود کر دیا ہے اور اغیار کو افلاک نور کے احاطہ سے محو کر دیا ہے۔

اے وہ خدا۔! جو عرش کے سراپردوں میں اس طرح پوشیدہ ہوا کہ نگاہیں اس کے دیکھنے کو ترس گئیں اور کمالِ تجلّی سے اس طرح روشن ہوا کہ اس کی عظمت ہر شے پر حاوی ہوگئی۔

تو کیسے چھپ سکتا ہے جب کہ ہر شے میں تیرا ظہور ہے اور کس طرح غائب ہو سکتا ہے جبکہ ہر ایک کے سامنے رہ کر اس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔ تو ہر شے پر قادر ہے۔ اور ساری تعریف تیری ذات واجب کے لیے ہے۔

مومنین کرام آخر روز عرفہ معصومینؑ کی دعاؤں کے ان دو فقرات کو ضرور دُہرائیں اور یہ محسوس کریں کہ ہادیانِ اسلام نے اپنے چاہنے والوں کو توبہ و استغفار کے کیسے کیسے طریقے تعلیم فرمائے ہیں سلاطین دنیا کو ان کا تصور بھی نہیں ہے۔

۱۔ پروردگار! میرے گناہوں سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہے اور مجھے معاف کر دینے سے تیرے یہاں کوئی کمی نہ پیدا ہو جائے گی۔ لہذا جس چیز سے تیرے یہاں کمی کا خطرہ نہیں ہے وہ دیدے اور جس چیز سے تیرا نقصان نہیں ہے اسے معاف کر دے۔

۲۔ خدایا۔! میری بُرائیوں کی وجہ سے مجھے اپنی نیکیوں سے محروم نہ کرنا، اور اگر میری زحمت و مصیبت اور میرے رنج و الم پر رحم نہیں بھی کرنا ہے تو کم از کم مجھے مصیبت زدگان اور آفت رسیدگان کا اجر ہی دیدے۔۔۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ و آلِ محمّدٍ و اجعلنا من اتباعھم و شیعتھم و أولیائھم و محبّیھم والحمد للّٰہ اولاً و آخراً۔

نقشِ حیات امام علی بن الحسینؑ

ولادت: ۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۳۸ھ

شہادت: ۲۵؍ محرّم ۹۵ھ